امام حسن اور خلافتِ راشدہ
تالیف
مفتی غلام رسول
دار العلوم قادریہ جیلانیہ (لندن)
حسب ارشاد
نابغۂ روزگار مفکرِ اسلام علامہ پیر سید
عبد القادر شاہ صاحب جیلانی
اہتمام
انجمن فاطمیہ (یوکے)
ناشر
دار العلوم قادریہ جیلانیہ
انٹرنیشنل مسلم موومنٹ والتھم سٹو
لندن (برطانیہ)
IMAM HASSAN & KHALAFAT -E- RASHDA
WRITTEN BY:
MUFTI GHULAM RASOOL
DARUL-ULOOM QADRIA JILANIA LONDON
UNITED KINGDOM

امام حسن اور خلافتِ راشدہ

تالیف

مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ (لنڈن)

حسبِ ارشاد

نابغۂ روزگار مفکرِ اسلام علامہ پیر سیّد

عبدالقادر شاہ صاحب جیلانی

بحسنِ اہتمام

انجمن فاطمیہ (یوکے)

ناشر

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ

انٹرنیشنل مسلم موومنٹ والتھم سٹو لنڈن (برطانیہ)

نام کتاب : ــــــــــــ امام حسن اور خلافت راشدہ

مصنف : ــــــــــــ مفتی غلام رسول (لندن)

ناشر : ــــــــــــ دارالعلوم قادریہ، جیلانیہ
والتھم سٹو (لندن)

کتابت : ــــــــــــ محمد نعیم گیلانی

پاکستان میں ملنے کا پتہ

(۱) صاحبزادہ حافظ حمزہ رسول مدرسہ نقشبندیہ، جماعتیہ، عربیہ کوٹلی خورد عرف ڈھینگرانوالی، تحصیل پھالیہ، ضلع منڈی بہاؤالدین

(۲) حضرت پیر سید عبدالقادر جیلانی مدظلہ
دارالعلوم قادریہ جیلانیہ ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی

فہرست

عنوان	صفحہ
تاثرات	۱۹
خطبہ	۲۵
تعارف	۲۷
امام حسن مجتبیٰ خصوصی شان رکھتے ہیں۔	۲۹
امام ابو حنیفہ کا عقیدہ۔	۳۰
مسروق بن اجدع کا قول۔	۳۱
تقدیم	۳۲
اہلِ بیت کی محبت دین اسلام کے فرائض میں سے ہے۔	۳۴
ناصبی اور خارجی کا معنٰے۔	〃
ناصبی اور خارجی میں فرق۔	
مروان بن حکم نواصب اور خوارج کا سرغنہ اور رئیس تھا۔	۳۵
مروان بن حکم بڑا بے ادب اور گستاخ تھا۔	

عنوان	صفحہ
مروان بن حکم حضرت علی شیر خدا پر سب وشتم کرتا تھا۔	۳۶
مروان بن حکم نے جعلی خط لکھا۔	
مروان کے باپ الحکم بن ابوالعاص کو طائف میں جلاوطن کیا گیا۔	۳۷
حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق نے حکم کو طائف سے واپس آنے کی اجازت نہیں دی۔	
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم کو واپس آنے کی اجازت دی۔	
مروان کا باپ حکم رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز فاش کرتا تھا۔	۳۸
حضرت عثمان نے حکم کو ایک لاکھ درہم عطیہ دیے۔	

عنوان	صفحہ
رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مروان کے باپ پر جو لعنت بھیجی ہے اس میں مروان بھی حصہ دار ہے۔	۳۹
مروان بن حکم حضرت علی شیر خدا کو جب ابوتراب کہتا تو یہ لفظ بطور تحقیر کے بولتا۔	//
ابوہریرہ کے معنے بلّی والے کے ہیں۔	
زیاد نے کہا کہ ترابیہ گروہ کا سردار حجر بن عدی ہے۔	۴۰
ابوتراب کی کنیت حضرت علی شیر خدا کو حضور پاک نے عطا فرمائی تھی۔	
مغیرہ بن شعبہ حضرت علی شیر خدا کی تنقیص شان کرتا تھا۔	۴۱
اموی گورنر حضرت عثمان کی تعریف کرتے اور حضرت علی پر سب وشتم کرتے تھے۔	
بنوامیہ ان لوگوں کو گورنر مقرر کرتے جو حضرت علی اور آپ کی اہل بیت پر سب وشتم کرتے تھے۔	
امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز نے سب وشتم کی اجازت نہیں دی۔	۴۲
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت معاویہ کی طرف خط لکھنا۔	۴۳
مغیرہ بن شعبہ کو کہا گیا کہ حضرت علی پر سب وشتم ہرگز ترک نہ کرو۔	
زیاد لوگوں کو کہتا کہ حضرت علی پر سب وشتم کرو، جو نہ کرتا اس کو قتل کر دیتا۔	
مروان بن حکم شیطان تھا اس شیطان سے بیزار رہنا چاہیے۔	۴۴
قرآن پہلے حضرت ابوبکر صدیق کے پاس رہا۔	
مروان بن حکم نے قرآن پاک جلا دیا۔	۴۵
مروان نے سب سے پہلے بُری نیت کے ساتھ عید کا خطبہ نماز	

عنوان	صفحہ
سے مقدم کیا۔	۴۵
مروان بن حکم بنو ہاشم کا دشمن تھا۔	۴۶
حضور پاک جب نماز پڑھتے تو سجدہ کرتے تو حسنین کریمین حضور پاک پر بیٹھ جاتے۔	
حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق عثمان غنی، حضرت علی شیر خدا، یہ تمام امام حسن وامام حسین کا بہت احترام کرتے تھے۔	۴۷
مروان بن حکم کی گردن میں لعنت کا طوق ہے۔	
باب اوّل	
امام حسن کے فضائل ومناقب ہیں۔	۴۹
امام حسن بارہ اماموں سے دوسرے امام ہیں۔	۵۰
امام حسن کے بارہ بیٹے تھے۔	
حضرت زید کے بیٹے ابو محمد حسن تھے۔	
حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کا سلسلہ نسب۔	۵۱
حسن مثنیٰ کربلا میں تشریف لے گئے تھے۔	۵۲
عبداللہ المحض کی پیدائش مسجد میں ہوئی۔	
عبداللہ المحض بنو ہاشم کے اپنے زمانہ میں سردار تھے۔	
خلیفہ عباسی منصور نے حضرت عبداللہ المحض کو قتل کیا۔	۵۳
عبداللہ المحض کے سات بیٹے تھے۔	۵۴
جون باب نصر سے ہے اس کا معنےٰ سیاہ، سرخ اور سفید ہے۔	
موسیٰ ثانی کے سات بیٹے تھے۔	۵۵
حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا سلسلہ نسب۔	۵۶
حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر	

عنوان	صفحہ
جیلانی گیلان (ایران) میں پیدا ہوئے۔	٥٧
حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا سلسلہ نسب والدہ ماجدہ کی طرف سے۔	٥٨
امام عبداللہ المحض اپنے والد اور والدہ کی طرف سے فاطمی ہیں۔	٥٩
سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی، حسینی سیّد ہیں۔	
عمدۃ الطالب کے مصنف کا پہلا اعتراض۔	
عمدۃ الطالب کے مصنف کا دوسرا اعتراض۔	٦٠
پہلے اعتراض کا جواب۔	
ابوصالح نصر بن ابی بکر قاضی اور شریعت کے بہت بڑے عالم تھے۔	٦١
سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم نے حسنی سیّد ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔	٦٢
دوسرے اعتراض کا جواب۔	
عمدۃ الطالب کے اعتراض غیر تحقیقی اور بے بنیاد ہیں۔	
جنگی دوست کا معنٰی۔	
عمدۃ الطالب کے مصنف مسلک کے لحاظ سے شیعہ ہیں۔	٦٣
ملک عرب، براعظم ایشیا کے انتہائی جنوب حصہ میں واقع ہے۔	
علماء جغرافیہ نے جزیرہ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔	٦٤
حجاز کو حجاز کہنے کی وجہ۔	
عرب بائدہ اور عرب باقیہ۔	٦٥
عرب عاربہ اور عرب مستعربہ	
سبا کے بادشاہوں نے ڈیم بنایا تھا۔	٦٦
خزاعہ نے مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا۔	

عنوان	صفحہ
کلب بن وبرہ صحراء سماوہ کی طرف منتقل ہو گئے۔	
علاقہ حجاز کے مشہور مقامات۔	٦٧
ملک عرب کے عام لوگ عرب ہیں۔	
سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی عرب ہیں۔	٦٨
قیامت کے دن حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب آپ کی اولاد کو فائدہ دے گا۔	
علم انساب عربوں کے نزدیک مہتم بالشان ہے۔	٦٩
ہاشم کو قریش سے برگزیدہ کیا	٧٠
اہل عرب اپنے نسب کے بارے میں بڑے غیرت مند تھے۔	
ابوالاسود دوئلی نے اپنے بیٹوں کو کہا تھا۔	٧١
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکماً فرمایا کہ اپنے نسبوں کو	

عنوان	صفحہ
یاد کرو۔	
ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی حدیث، فقہ، علوم حقائق وغیرہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔	٧٢
حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔	
علامہ نووی لکھتے ہیں کہ سیّدنا عبدالقادر جیلانی کے کرامات بہت زیادہ تھے۔	٧٣
تمام مشائخ کا آپ کی فضیلت پر اتفاق ہے۔	
حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے ہاتھ پر بے شمار لوگوں نے توبہ کی ہے۔	٧٤
رئیس الحنفیہ علی قاری لکھتے ہیں کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی کرامات حد تواتر سے تجاوز	

عنوان	صفحہ
گر گئی تھیں۔	
علامہ جامی لکھتے ہیں کہ سیّدنا عبدالقادر جیلانی کے کرامات کو تواتر کا مرتبہ حاصل ہے۔	
شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ہر ولی غوثِ اعظم کے قدموں پر سر رکھتا ہے۔	۷۵
اگر اور قطب ہیں تو سیّدنا عبدالقادر جیلانی قطب الاقطاب ہیں۔	
سیّدنا عبدالقادر جیلانی کے القابات جلیلہ۔	۷۶
قضا معلق دو قسم پر ہے۔	۷۷
معلق شبیہ بہ مبرم	
حضرت امیر علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ، وصال سے قبل مقام ولایت کے ملجاء وماویٰ تھے۔	۷۸
اطراف لامحالہ اپنے مرکز سے ملتے ہیں۔	
شیخ عمر حلادی کا بیان	۷۹
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے زمانہ میں اولیاء کرام سے عہد لیا گیا کہ کوئی ولی بذات خود تصرف نہ کرے۔	۸۰
امام احمد بن حنبل نے قبر سے نکل کر حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانی سے معانقہ کیا۔	
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی زبان سے جو کچھ نکل جاتا وہ پورا ہو کر رہتا۔	
دستر خوان پر مختلف قسم کے کھانے چنے گئے تھے۔	
حضرت غوث اعظم نے لڑکے کو فرمایا صحیح وسالم ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔	۸۱
حضرت غوث اعظم نے عورت کے لیے دو بیٹوں کا سوال کر دیا۔	
حضرت غوث اعظم نے عورت کے لیے سات بیٹوں کا سوال کیا	۸۲

عنوان	صفحہ
یہ عالی دربارِ حاجات کا قبلہ ہے۔	
علامہ حامد حرانی کو غوث اعظم نے فرمایا کیا تم مسندِ شاہی پر بیٹھو گئے۔	٨٣
ابوسعید بغدادی کی لڑکی کا واقعہ۔	
سیدنا عبدالقادر جیلانی نے ابوسعید کو کہا کہ خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔	٨٤
جنوں کا بادشاہ غوث اعظم کا نام سن کر گھوڑے سے نیچے اُتر آیا۔	
جب اللہ تعالیٰ کسی کو قطب بناتے ہیں تو جن وانس پر اس کی حکومت ہوتی ہے۔	٨٥
لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے مسجد تک پہنچنا مشکل ہوتا تھا۔	
غوثِ اعظم نے فرمایا کہ لوگوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں۔	
ایک چور کا بارگاہ غوثیت میں آنا۔	٨٦
ایک چور کو ایک نگاہ میں ولی اور ابدال بنا دیا۔	
حضرت غوث اعظم کا عقیدت مند آپ کی دولت سے محروم نہیں رہے گا۔	٨٧
رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام حسن مجتبیٰ کی وجہ سے نماز میں سجدہ طویل فرماتے تھے۔	٨٨
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امام حسن کو اٹھایا۔	
امام حسن کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھے پر اٹھا کر فرمایا اے اللہ میں اس سے محبّت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبّت رکھ۔	
امام حسن کے گلے میں لونگوں کا ہار خاتون جنّت نے ڈالا۔	٨٩
حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو حسن سے محبّت رکھے میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔	
رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	

عنوان	صفحہ
نے فرمایا کہ جو جنتی نوجوانوں کے سردار کو دیکھنا چاہے وہ حسن کو دیکھ لے۔	۹۰
حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حسن نے مجھے حالت نماز میں سواری بنالیا میں نے اس سے سبقت کرنا پسند نہ کیا۔	
رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔	۹۱
حضرت سیدنا فاطمۃ الزہراء نے حضرت ابوبکر صدیق سے فدک کا مطالبہ کیا مگر ابوبکر صدیق نے دینے سے انکار کر دیا۔	
بیہقی کی روایت میں ہے کہ خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہرا حضرت ابوبکر صدیق پر راضی ہوگئی تھیں۔	۹۲
حافظ بیہقی نے محدث شعبی سے روایت کی ہے۔	
ابن کثیر نے کہا کہ حافظ بیہقی کی روایت کی سند جید اور قوی ہے۔	
مثبت قول مقدم اور راجح ہوتا ہے۔	۹۳
سیّدہ فاطمۃ الزہراء اہل جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں۔	۹۴
حضرت امام حسن نے بلیغ وفصیح تقریر کی۔	۹۵
ملامت کسے کہتے ہیں۔	۹۶
عقل کس کو کہتے ہیں۔	۹۸
علم کی آفت نسیان ہے۔	۹۹
امام حسن کی انگوٹھی پر یہ درج تھا۔	۱۰۰
امام حسن کے لیے سرداری اور امام حسین کے لیے بہادری ہے۔	۱۰۱
امام حسن کا سیّد ہونا خبر متواتر سے ثابت ہے۔	۱۰۲
ابوبکر ثقفی کے لیے اس حدیث کا	

عنوان	صفحہ
سماع کرنا ثابت ہے۔	۱۰۳
ابن عساکر نے کہا ہے کہ معمر نے اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر جو شخص حسن بصری سے روایت کرتا ہے اس کا نام نہیں لیتا۔	۱۰۴
عبدالرحمٰن بن معمر نے اس حدیث کو بحوالہ اعمش روایت کیا ہے۔	۱۰۵
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اسماء صفات سے گذرے تو ان کے ساتھ متصف ہوئے۔	۱۰۶
رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے فضل سے جس کو چاہیں غنی کردیں۔	۱۰۷
باب دوم	
خلافت راشدہ کے بارے میں۔	۱۱۲
خلیفہ تین قسم پر ہے۔	۱۱۳
خلافت راشدہ کا مطلب۔	
خلافت اور ملوکیت میں فرق۔	۱۱۶
خلافت راشدہ میں حکومت مسلمانوں کے مشورہ سے چلائی جاتی تھی۔	۱۱۷
خلیفہ راشد عوام کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرتا تھا۔	۱۱۸
بادشاہت میں درج ذیل امور ہوتے ہیں۔	۱۱۹
عوام کا بادشاہوں تک پہنچنا مشکل ہوتا تھا۔	۱۲۰
ملوکیت میں عدلیہ کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔	۱۲۱
بادشاہوں کی سیاست دین کے تابع نہیں ہوتی۔	۱۲۲
امام حسن مجتبیٰ خلفاء راشدین میں سے آخری خلیفہ تھے۔	۱۲۳
شارح طحاویہ نے لکھا ہے کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے۔	۱۲۴
امام حسن ۴۱ھ ہجری میں خلافت سے دست بردار ہوئے۔	۱۲۶
امام حسن کی خلافت نے مدۃ خلافت	

عنوان	صفحہ
کو پورا کیا ہے۔	
حضرت معاویہ پہلے بادشاہ ہوئے۔	۱۲۷
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ۱۱ھ ہجری ربیع الاول ہے۔	۱۲۹
عطایا احمدیہ کے مؤلف نے ان حوالہ جات کا ذکر نہیں کیا جن میں تصریح ہے کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے۔	۱۳۰
امام حسن نے خلافت کو ترک اس لیے کیا تھا کہ آپ بادشاہوں میں داخل نہیں ہونا چاہتے تھے۔	۱۳۱
صاحب نبراس کا قول۔	
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا قول۔	۱۳۳
علامہ عبدالحی کا قول۔	۱۳۴
ابن حبان نے حدیث خلافت کو صحیح کہا ہے۔	۱۳۵
حسن وحسین دونوں نام جنتیوں کے ہیں۔	
خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ۔	۱۳۷
امام حسن کی خلافت کی مدّت چھ ماہ ہے۔	۱۳۸
حضرت مولیٰ علی کی خلافت مرتضوی ہے۔	۱۳۹
حضرت سفینہ نے جو حساب لگایا ہے اس میں کسور کا حساب نہیں لگایا۔	۱۴۰
خلافت راشدہ کے خلفاء کا تقرر و تعین مسلمان کرتے ہیں۔	۱۴۱
سعد بن عبادہ کے گھر لوگوں کا اجتماع ہوا۔	
حضرت ابوبکر صدیق جب زیادہ بیمار ہو گئے تو آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا۔	۱۴۳
حضرت ابوبکر صدیق کو روضہ رسول میں دفن کیا گیا۔	
عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ میں خلیفہ نہیں بننا چاہتا۔	۱۴۴
حضرت علی شیر خدا کی نمازِ جنازہ	

عنوان	صفحہ
امام حسن نے پڑھائی۔	۱۴۵
خلیفہ راشد کا خلافت راشدہ سے دست بردار ہونا جائز ہے۔	۱۴۶
عطایہ احمدیہ کے مؤلف نے قرآن پاک کی آیت کی تفسیر غلط کی ہے۔	
مشبہ میں پانچ خلفاء مراد ہیں۔	
قوت مبالغہ میں تشبیہ کا سب سے اعلیٰ مرتبہ کیا ہے۔	۱۴۸
مشبہ بہ کسی صورت میں حذف نہیں ہوتا۔	۱۵۰
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مومن مردوں کی ماں ہیں عورتوں کی ماں نہیں ہیں۔	۱۵۱
حضرت عثمان حق پر تھے۔	۱۵۲
باب سوم	۱۵۵
امام حسن نے کہا کہ ہم کسی سے ڈرتے نہیں ہیں ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔	۱۵۶
حضرت عبدالمطلب کے چہرے سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔	۱۵۷

عنوان	صفحہ
صلح کے شرائط	۱۵۸
حضرت معاویہ نے شرائط کو پورا نہ کیا۔	۱۵۹
امام حسن صلح کرنے میں حق پر تھے۔	۱۶۱
یزید کی ولی عہدی کی ابتداء مغیرہ بن شعبہ نے کی۔	۱۶۲
حضرت معاویہ نے مروان بن حکم کو لکھا کہ میں یزید کو اپنا ولی بنانا چاہتا ہوں۔	۱۶۳
حضرت عبدالرحمٰن نے بھاگ کر حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں پناہ لی۔	
عبداللہ بن زبیر نے حضرت معاویہ کو کہا کہ آپ تین کاموں سے ایک کام کریں۔	۱۶۴
حضرت معاویہ نے یزید کو کہا کہ میں نے تیرے لیے امر حکومت ثابت کر دیا ہے۔	۱۶۵
حضرت معاویہ نے جب حج کیا تو	

عنوان	صفحہ
اپنے بیٹے یزید کے لیے لوگوں سے بیعت لی۔	۱۶۶
صلح کی شرائط میں سے یہ شرط بھی تھی کہ حضرت علی کو کوئی سب و شتم نہیں کرے گا۔	۱۶۷
عمر بن عبدالعزیز نے سب و شتم کی گندی رسم کو ختم کیا۔	۱۶۸
حجر بن عدی اور آپ کے ساتھیوں نے کہا ہم حضرت علی پر سب و شتم ہرگز نہیں کر سکتے۔	۱۶۹
عبدالرحمٰن بن حسان کو زندہ دفن کر دیا گیا۔	
حجر بن عدی صاحب فضیلت صحابی تھے۔	۱۷۱
حجر بن عدی اصحاب میں درویش صفت اور زاہد منش انسان تھے۔	
حجر بن عدی صحابہ کے چوتھے طبقہ میں شمار ہوتے ہیں۔	۱۷۲
حجر بن عدی اور اس کے ساتھی	
کہتے ہیں کہ خلافت آل ابو طالب کے سوا کسی کے لیے درست نہیں ہے۔	۱۷۳
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عقیدت مندوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے۔	۱۷۴
حضرت معاویہ نے اہل بصرہ کو کہا دارابجرد کا خراج امام حسن کو نہ دیا جائے۔	۱۷۵
امام حسن نے حضرت معاویہ کے اختلاف کے باوجود صلح کر لی۔	۱۷۶
امام حسن کے فرمایا کہ حضرت معاویہ نے میرے ساتھ جھگڑا کیا ہے۔	۱۷۷
حالانکہ یہ میرا حق ہے۔	
امام حسن نے فرمایا کہ صلح میں مسلمانوں کے لیے عار و ندامت نہیں ہے۔	۱۷۸
امام حسن نے فرمایا کہ خلافت کے لیے میں زیادہ مستحق ہوں۔	
امام حسن نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے تم لوگوں کو ہمارے ذریعہ	۱۷۹

عنوان	صفحہ
ہدایت دی ہے۔	
امام حسن کی فوج نہایت طاقتور تھی۔	۱۸۰
امام حسن نے فرمایا میں نے کبھی بھی خلافت کی خواہش نہیں کی۔	۱۸۱
سیّد اپنے تمام اوصاف اور کمالات کے لحاظ سے غالب ہوتا ہے۔	۱۸۲
امام حسن علیہ السلام نے صلح کے بعد تقریر فرمائی۔	
امام حسن نے فرمایا کہ میری مراد وہ ہے جو اللہ کی مراد ہے۔	۱۸۳
باب چہارم	۱۸۴
امام حسن علیہ السلام کو جعدہ نے زہر پلایا۔	۱۸۵
زہر پلانے والی روایات میں تعارض نہیں ہے۔	۱۸۶
یزید نے جعدہ کو ایک لاکھ درہم دیے اور کہا کہ امام حسن کو زہر پلا دو۔	۱۸۷
جب حضرت معاویہ کو پتہ لگا کہ امام حسن فوت ہو گئے ہیں تو حضرت معاویہ نے نعرہ مارا۔	۱۸۸
جب کوئی شخص فوت ہو تو اس پر اظہارِ غم حکم شرعی ہے۔	۱۸۹
امام حسن نے فرمایا میرے بعد میرا بھائی حسین امام ہے۔	۱۹۲
امام حسین نے امام حسن سے پوچھا آپ کو کس نے زہر پلایا ہے مگر امام حسن نے بتانے سے انکار کر دیا۔	۱۹۳
امام حسن کا بقیع میں دفن کیا جانا۔	۱۹۶
مروان بن حکم نے ابو ہریرہ کو کہا کہ ابو ہریرہ ایسی حدیثوں کو رہنے دیجیے۔	۱۹۷
امام حسن کی عمر چھیالیس سال تھی۔	۱۹۸
امام حسین اور مروان بن حکم کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہوا۔	۱۹۹

عنوان	صفحہ
حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا امام حسن کو روضہ رسول میں ہی دفن کیا جائے۔	۲۰۱
علامہ مسعودی کا قول۔	
عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے ایک پتھر تھا مروان بن حکم نے اس کو اُٹھا کر پھینک دیا۔	۲۰۳
رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ابراہیم کی قبر پر مٹی ڈالی۔	
رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمہ بنت اسد کی قبر کی لحد میں اُترے۔	۲۰۳
سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی قبر مبارک مسجد نبوی میں ہے۔	۲۰۴
حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ تم مضطرب کیوں ہو۔	۲۰۵
جبرئیل علیہ السلام میرے پاس وحی لائے تھے۔	۲۰۶
بقیع سے ستر ہزار آدمی ایسے اٹھیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کی طرح چمکتے ہوں گے۔	۲۰۷
صحابی کی تعریف میں بالغ ہونے کی شرط لگانا غلط ہے۔	۲۰۸
امام حسن مجتبیٰ نے رسول پاک سے متعدد احادیث روایت کی ہیں۔	
حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ امام حسن صحابی ہیں۔	
امام مہدی علیہ السلام امام حسن کی اولاد سے ہوں گے۔	۲۱۱
علامہ تفتازانی صاحب شرح مقاصد۔	
ان صحابہ کرام کے اسماء گرامی جنہوں نے حدیث کو روایت کیا ہے۔	۲۱۶
امام مہدی کے لشکر میں اصحاب کہف بھی شریک ہوں گے۔	۲۱۸
حضرت عیسیٰ علیہ السلام امام مہدی کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے۔	۱۱۹

عنوان	صفحہ
حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب متصل ہے۔	۲۲۱
حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل پاک حسنین کریمین سے چلی ہے۔	۲۲۲
خصائص میں لوگوں کے عرف کا اعتبار نہیں ہوتا۔	۲۲۴
کلی مشکک کی تعریف	۲۲۶
جب حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو تو مجاز مراد نہیں لیا جاتا۔	۲۲۹
حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے روایات	۲۳۱
بنو فاطمہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد حقیقتاً ہے مجازاً نہیں۔	۲۳۴
اولاد فاطمہ، حضور پاک کی طرف نسبت صحیحہ کے ساتھ منسوب ہے۔	۲۳۵
سیّدزادی کا بیٹا سیّد تب ہو گا جب اس کا باپ سیّد ہو گا۔	۲۳۷
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مومن مردوں کی ماں ہیں عورتوں کی ماں نہیں ہیں۔	۲۴۰
حضرت معاویہ کو مسلمانوں کا ماموں کہنا صحیح نہ ہوا۔	۲۴۳

تاثرات

از قلم پیر طریقت، رہبر شریعت، عالی جناب صاحبزادہ پیر سیّد
صابر حسین شاہ صاحب گیلانی دامت برکاتہم العالیہ۔
ایم اے فاضل فارسی، ایم او ایل

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ؕ

سورۃ البقرہ کی اس آیت کریمہ کے تحت امام جلال الدین سیوطی نے درمنثور کی جلد اوّل صفحہ ۱۴۷ پر لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ پنجتن پاک کے صدقے میں قبول کی گئی۔

بیدم یہی تو پانچ ہیں مقصودِ کائنات
خیر النساء، حسینؑ و حسنؑ، مصطفٰے علیؑ

حضرت قبلہ مفتی غلام رسول صاحب جماعتی نے زیر نظر کتاب "امام حسن (علیہ السلام) اور خلافت راشدہ" تحریر فرمائی تو مجھے تقریظ لکھنے کا ارشاد فرمایا۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا مگر قبلہ مفتی صاحب کی شفقت کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے عرض ہے کہ مفتی صاحب قبلہ نے کئی درجن کتب تحریر فرمائیں ہیں مگر ان کا خاص موضوع تحریر فضائل

اہلِ بیت رہا ہے۔
مفتی صاحب قبلہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ مفتی صاحب دورِ حاضر میں امتِ مسلمہ کے لیے بالعموم اور سادات؛ عالم کی عزت و ناموس کے لیے ناقابلِ شکست حصار ہیں۔ چادرِ تطہیر کے تقدس کی حفاظت کے لیے سیف برہنہ ہیں۔ علمائے سلف صالحین کا نمونہ اور تصویر ہیں۔ مفتی صاحب قبلہ عالمِ اسلام کے فاضل ترین شخصیات میں سے ایک ہیں۔ فقر و استغنا آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ نیک سیرت، پاک باز، پاک باطن، پاک طینت، شریف النفس اور اسلامی غیرت و حمیت کے امن و داعی ہیں۔ اور عجز و نیاز اور خلوص و محبت کا نمونہ ہیں۔ مفتی صاحب قبلہ کا اندازِ تحریر بڑا اچھوتا اور دلنواز ہوتا ہے۔ وہ اہلِ بیت رسول کے فضائل کے سلسلے میں کسی شک یا اعتراض کو عنوان بنا کر محبت و عقیدت سے بھرپور پودا لگاتے ہیں اور پھر اپنے خونِ جگر سے اس کی آبیاری کرتے ہیں۔ پھر دلائل و براہین سے اس پودے سے پتیاں پھوٹتی ہیں، شگوفے لگتے ہیں۔ کلیاں کھلتی ہیں۔ پھول بنتے ہیں۔ پھل لگتے ہیں اور پھل پکتے ہیں پھر وہ پھل ان مسلمانوں کے لیے جانفزا ثابت ہوتے ہیں۔ جن کے دلوں میں نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلِ بیت کی محبت کی حلاوت ہوتی ہے۔
مفتی صاحب قبلہ کی ہر تحریر صحیفۂ نور ہے جس سے دردِ دل رکھنے والا ہر مسلمان روشنی پائے گا اور راہ حق کے متلاشی صراطِ مستقیم پائیں گے۔
زیرِ نظر کتاب (امام حسن علیہ السلام اور خلافت راشدہ) میں بھی مفتی صاحب نے تحقیق و تدقیق کا حق ادا کر دیا اور روزِ محشر اپنی بخشش کا سامان مہیا کر لیا۔ کیونکہ روزِ محشر پل صراط پر حسن کے نانا ہوں گے۔ گناہ گاروں کو سنبھالا دینے والے۔ روزِ محشر جب ہر طرف العطش العطش کی صدائیں بلند ہو رہی ہوں گی تو

اس وقت امام حسن کے بابا ہوں گے جو آب کوثر کے جام سے پیاسوں کی پیاس بجھاتے ہوں گے۔

وہ امام حسنؑ جن کی نانی خدیجۃ الکبریٰ، وہ امام حسنؑ جن کے نانا امام الانبیاء وہ امام حسنؑ جن کی ماں سیّدہ النساء، وہ امام حسنؑ جن کے بابا شیر خدا، وہ امام حسنؑ جن کا بھائی سید الشہداء، وہ امام حسنؑ جو جنتی جوانوں کے سردار، وہ امام حسنؑ جو دوش مصطفےٰ کے شہسوار، وہ امام حسنؑ جن کا بیٹا قاسم الولایت سیدنا غوث اعظم ہو۔ وہ امام حسنؑ جس کی نسل پاک سے امام مہدی آخر الزماں ہو۔ وہ امام حسنؑ جن کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سیّد (سردار) ہے۔ وہ امام حسنؑ جو چادر تطہیر کی بکل اوڑھنے، وہ امام حسنؑ جو آیہ مباہلہ کے سفر کا مسافر، وہ امام حسنؑ جو جمال وجلال مصطفوی کی تصویر، وہ امام حسنؑ جن کی محبت ومودّت مسلمانوں پر واجب کر دی گئی۔

سورۃ الشوریٰ کی آیت کریمہ ۲۳ میں فرمایا گیا۔

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط

"آپ فرما دیجیے میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت داروں کی محبت"

اس آیت کریمہ سے مفسرین نے فرمایا ہے کہ ان قرابت داروں سے حضور کی مراد حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور امامین کریمین علیہما السلام ہے۔ اور ان حضرات کی مودت مسلمانوں پر واجب ہے۔

اس امام حسنؑ علیہ السلام کے فضائل ومناقب تقریر وتحریر میں لانا امام عالی مقام امام حسن علیہ السلام اور جملہ اہلِ بیت سے کمال درجے کی محبت اور عقیدت کا نتیجہ ہے۔

زمانے کی ستم ظریفی دیکھیے کہ اموی اور عباسی حکومتوں کے دور میں جس نبی پاک کا کلمہ پڑھ کر ایمان لائے اسی نبی کی آلِ پاک کو مشق ظلم وستم بنایا گیا۔ سالہا سال حضور مولائے کائنات حضرت حیدرِ کرار پر نبیؐ کے ممبر و محراب میں کھڑے ہو کر سب وشتم کیا جاتا رہا۔

واقعہ کربلا کے بعد بھی کئی کربلائیں اہلِ بیت رسُول پر گزرتی رہیں۔ خلفائے راشدین کے دور کے بعد بھی کئی سو سال تک اہلِ بیت رسول کا نام لینا قابلِ گردن زنی جرم سمجھا جاتا رہا۔ ظلم وستم میں جکڑے ہوئے ایسے دور میں اہلِ بیت رسول کے فضائل و مناقب کا زندہ رہنا اور تحریر و تقریر میں بیان ہوتے رہنا کسی معجزے سے کم نہیں۔ کیونکہ ہر دور میں بھرپور کوششیں ہوتی رہیں کہ اہلِ بیت کے فضائل و مناقب کو مسخ کیا جائے۔ چنانچہ اہلِ بیت کے فضائل میں بیان ہونے والی اکثر حدیثوں کو ضعیف اور ناقابلِ احتجاج ہونے کے طعنے دیئے جاتے رہے۔ مگر دوسری طرف یزید پلید کو جنتی بنانے کے لیے بڑے دور کی کوڑی لائی گئی۔ حدیث قسطنطنیہ وجود میں لائی گئی۔ پھر اس حدیث کے مطابق یزید اُس لشکر میں شامل نہ ہوتے ہوئے بھی جنتی بنایا گیا۔

مگر دوسری طرف امامین کریمین علیہما السلام کو صحابیت کے درجے سے نکالنے کے لیے یہ کہا جاتا رہا ہے کہ یہ نابالغ ہیں صحابی ہونے کے لیے عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔ مگر اُن کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی کیونکہ بڑے بڑے اعلیٰ پائے کے محدثین وشارحین نے اس قول کو مردود قرار دیا ہے۔ خاص طور پر علامہ عینی نے اپنی عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۱۶ صفحہ ۱۴۹ پر ذکر کیا ہے کہ صحابی کے لیے عاقل و بالغ ہونا ضروری نہیں۔ عاقل و بالغ ہونے کی شرط مردود ہے۔ کیونکہ اس قول کا راوی واقدی ہے جو کہ ضعیف ہے۔ اس کی روایت

قابل احتجاج نہیں ہو سکتی۔

علامہ امام ابن حجر عسقلانی نے اپنی (فتح الباری) شرح بخاری کی جلد ۷ صفحہ ۳ پر ذکر کیا ہے کہ صحابی کے لیے نہ عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے اور نہ طویل صحبت ضروری ہے بلکہ نابالغ بچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں لایا جائے اور حضور اس کو دیکھ لیں تو اس بچے کو صحابی ہونے کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے صاحبزادے جناب محمد بن ابی بکر صدیق رضؓ تین ماہ کے تھے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال پاک ہوا۔ محدثین نے ان کو بھی صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اب اگر ایک تین ماہ کا بچہ جس کو صرف حضور نے دیکھا تو وہ صحابیت کا رتبہ پا گیا تو پھر جس نے سالہا سال نہ صرف دیکھا اور صحبت پائی بلکہ رسالت مآب کی زبان چوس کر شیریں لعاب دہن کو اپنے خون و خمیر میں شامل کیا ہو۔ جس نے مہر نبوت پر بیٹھ کر دوش مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کے مزے لوٹے ہوں، نبی پاک کے سینہ بے کینہ پر لیٹ کر قرآن مجید کے حامل قلب اطہر کی پاکیزہ دھڑکنوں کو اپنے قلب و جگر میں جذب کیا ہو۔ جو اپنے نانا پاک ؐ کی نورانی گود میں کھیل کر پروان چڑھا ہو۔ جس نے سیدۃ النساء کی چادر تطہیر کی ٹھنڈی چھاؤں کا سایہ پایا ہو۔ جس نے باب علم کی علمی و روحانی صحبت پائی ہو وہ امام حسنؓ تو پھر بدرجہ اولیٰ صحابی ہوئے۔

کرمانی نے اپنی شرح بخاری جلد ۱۴ صفحہ ۱۹۸ پر یہاں تک ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے حضور علیہ السلام کے وصال پاک کے بعد دفن ہونے سے قبل دیدار کا شرف حاصل کر لیا تو وہ بھی صحابی ہو گا۔ لہٰذا حضرت امام عالی مقام

امام حسنؑ اہلِ بیت بھی ہیں اور صاحبِ روایت صحابی بھی ہیں اور خلیفہ راشد ہیں۔ کیونکہ حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک فرمان کے مطابق خلفائے راشدین کا ۳۰ سالہ دور اس صورت میں مکمل ہوتا ہے جب حضرت امام حسن علیہ السلام کا ۶ ماہ کا دور خلافت شامل کیا جائے۔

آخر میں عرض کرنا چاہوں گا کہ کچھ دوستوں کا کہنا ہے کہ مفتی صاحب قبلہ کی تحریروں میں واقعات، روایات اور الفاظ کا تکرار ہوتا ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے قارئین کرام کے لیے بار خاطر ہو کہ اس کتاب میں بھی چند مقام پر چند روایات و واقعات میں تکرار ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مفتی صاحب قبلہ نے یہ کوشش وسعی فرمائی ہے کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ ان واقعات کے بارے میں کوئی ایک آدھ روایت نہیں بلکہ بہت سے محدثین، مؤرخین اور مفسرین نے مختلف انداز میں مختلف طرق سے روایات بیان کی ہیں۔ اس طرح اس تکرار سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ روایات حدِ تواتر سے تجاوز کر گئی ہیں۔ لہٰذا اصل حقائق کو اجاگر کرنے کے لیے تکرار از بس ضروری تھا۔

دعا ہے کہ قبلہ مفتی صاحب کی سعی اللہ تعالےٰ اپنی بارگاہ میں پنجتن پاک کے صدقے قبول فرمائے اور دونوں جہانوں میں سرخروئی فرمائے۔

خدایا بحق بنی فاطمہ — کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من و دست و دامانِ آلِ رسول

دولت صبر و رضا بھی ہم کو ہو جائے نصیب
حسن المجتبیٰ پیکر جود و سخا کے واسطے

راقم الحروف
سیّد صابر حسین شاہ گیلانی
ایم اے فاضل فارسی

خطبہ

الحمد للہ رب العلمین الذی اختار سیدنا محمدًا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم من الخلق اجمعین وارسلہٗ رحمۃ للعٰلمین، وجعل من جملۃ اُمتہ الانبیاء والمرسلین، اذ اخذ علیہم المیثاق بالایمان بہٖ و بنصرتہ وقال اشہدوا وانا معکم من الشاہدین وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم وعلیہم وعلیٰ آلہٖ الطیّبین الطاہرین قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی حقہم ھوانا تارکٌ فیکم الثقلین، اولہما کتاب اللہ فیکم الھدیٰ والنور ثم قال اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی ولما نزلت ھذہ الآیۃ ندع ابناء نا وابناءکم دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم علیا وفاطمۃ وحسنًا وحسینًا فقال اللھم ھولاء اھل بیتی وقال ان ابنی ھذا (الحسن) سید ولعل اللہ ان یصلح بہٖ فئتین من المسلمین وعلیٰ اصحابہ اجمعین۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلَّمْ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تعارف

زیر نظر کتاب "امام حسن اور خلافت راشدہ" ہے۔ جب میں تذکرہ امام حسین کی ترتیب و تالیف سے فارغ ہوا تو پیر طریقت، رہبر شریعت، لقبیۃ السلف، حجۃ الخلف نابغہ روزگار مفکر اسلام علامہ پیر سیّد عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی دامت برکاتہم العالیہ مجھے فرمانے لگے کہ امام حسن مجتبیٰ کے فضائل و مناقب اور حالات و واقعات کے بارے میں بھی لکھنا چاہیے۔ قبلہ مفکر اسلام علامہ پیر سید عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی دامت برکاتہم العالیہ چونکہ حضرت مولیٰ کائنات علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا علم آپ کی اولاد اور ذریت میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے اور یہ علم اہل بیت کے ائمہ کرام میں ایک سے دوسرے تک برابر نقل ہوتا رہا ہے۔ اور یہ علم ائمہ اہل بیتِ اطہار سے ان کی اولاد تک منتقل ہوا۔ یہ سلسلہ قیامت تک امام مہدی علیہ السلام تک جاری رہے گا۔ قبلہ مفکر اسلام علامہ پیر سیّد عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی کو بھی علم حضرت علی اور آئمہ اہل بیتِ اطہار اور حضرت غوث اعظم عالم ربانی، قطب فردانی غوث صمدانی محی الدین ابو محمد سیّدنا عبدالقادر الحسنی، الحسینی الجیلانی رضی اللہ عنہ

سے بطور وراثت ملا ہے۔

بایں وجہ مفکر اسلام، علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور فروع و اصول پر حاوی ہیں اور متعدد زبانوں پر عبور رکھتے ہیں۔ کسی موضوع اور عنوان کو جب زیر بحث لاتے ہیں تو سننے والے بڑے بڑے صاحب علم لوگ حیران ہو جاتے ہیں اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ علم کا سمندر موجزن ہے اور آپ کا علم تمام نواحی اور گوشوں پر محیط ہے۔ جب بیان فرماتے ہیں تو موافق اور مخالف کے ہر طبقہ کے علم و فکر اور نظریات و عقائد پر آپ کی گہری نظر ہوتی ہے۔ قبلہ مفکرِ اسلام کو جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے علم و فضل میں عروج اور سر بلندی عطا فرمائی ہے اسی طرح آپ کا نسب بھی بلند و بالا ہے۔ آپ نسب کے لحاظ سے حسنی سیّد ہیں اور حضرت غوث اعظم کے جگر گوشہ ہیں۔ بایں وجہ گیلانی ہیں۔ آپ کا تمام شجرہ نسب ہماری کتاب "حسب و نسب" کی پانچویں جلد میں مذکور ہے۔

جب میں نے قبلہ مفکر اسلام سیّد عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی کا شجرہ نسب کتاب "حسب و نسب" میں ذکر کرنا چاہا تو میں نے عالی جناب صاحبزادہ پیر سیّد صابر حسین شاہ صاحب گیلانی جو کہ قبلہ مفکر اسلام کے برادر حقیقی ہیں سے اجازت چاہی کہ آپ کا شجرہ نسب "حسب و نسب" میں ذکر کر سکتے ہیں تو آپ نے اپنا شجرہ نسب بھی دکھایا اور "حسب و نسب" میں ذکر کرنے کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

چونکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قبلہ مفکر اسلام علامہ پیر سیّد عبدالقادر شاہ صاحب گیلانی نے مجھے فرمایا تھا کہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی لکھنا چاہیے۔ اگرچہ اس ارشاد گرامی سے پہلے بھی میرا ارادہ تھا کہ اگر اللہ تعالےٰ کی توفیق شامل حال رہی اور زندگی نے وفا کی تو امام حسن مجتبیٰ کے

فضائل ومناقب اور حالات و واقعات بالخصوص آپ کی خلافت راشدہ کے بارے میں لکھوں گا۔ اگرچہ آپ کی خلافت راشدہ کے بارے میں "تذکرہ امام حسین" کے اختتامیہ میں مختصر ذکر ہوچکا ہے مگر پھر بھی امام حسن مجتبیٰ کے دیگر واقعات وحالات کے ساتھ ضرورت داعیہ کی بنا پر آپ کی خلافت راشدہ کا دوبارہ ذکر کیا جائے گا۔

امام حسن مجتبیٰ ائمۂ اہلِ بیت اطہار میں ایک امتیازی اور خصوصی شان رکھتے ہیں کہ آپ کی خلافت نص سے ثابت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے متعلق متعدد بار فرمایا کہ حسن میرا بیٹا سیّد (سردار) ہے میں نے اپنی سیادت (سرداری) حسن کو عطا فرمائی ہے۔ حسن کی محبت میری محبت ہے۔ حسن کے ساتھ صلح میرے ساتھ صلح ہے، حسن کے ساتھ بغض و عناد میرے ساتھ بغض وعناد ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ علی شیر خدا کی محبت میری محبت ہے۔ اہلِ بیت اطہار اور حضرت علی شیر خدا سے محبت عین ایمان ہے۔

امام ابوحنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے محبت رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے اہلِ شام (شامی لوگ) ہم سے بغض وعناد رکھتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عقیل نصائح الکافیہ میں لکھتے ہیں۔

قال ابوحنيفة اتدرون لم يبغضنا اهل الشام قالوا لا قال لانا نعتقد ان لوحضرنا عسكر علی بن ابی طالب كرم الله وجهه لكنا نعين عليًا علی معاوية وتقاتل معاوية لاجل علی فلذالك لا يحبوننا۔

(صلح الحسن ص۲۷، بحوالہ النصائح الکافیہ لابن عقیل ص۱۳۶ وتمہید فی بیان التوحید ابوالشکور)

ابو حنیفہ نے فرمایا اے لوگو! تم جانتے ہو کہ اہل شام (شامی لوگ) ہم سے بغض (دشمنی) کیوں رکھتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ نہیں فرمایا کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر ہم حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں ہوتے تو ہم حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ مل کر حضرت معاویہ کے ساتھ جنگ کرتے۔ اسی وجہ سے اہل شام ہمارے ساتھ بغض اور دشمنی رکھتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے محبت رکھتا اور آپ کا ساتھ دیتا تو شامی لوگ اس کے ساتھ دشمنی رکھتے تھے۔ بایں وجہ اموی حکمران جس شخص کے متعلق معلوم کر لیتے کہ وہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے ساتھ محبت رکھتا ہے یا ان کی حمایت کرتا ہے۔ اس کو گرفتار کر لیا جاتا اور قید کر دیا جاتا اور اس کو سخت ترین سزا دی جاتی اور اس کا مکان گرا دیا جاتا۔

ومن اتهمتموه بموالاة نه فنكلوا به واهدموا داره وقد هدمت فى الكوفة دور وقصور لا يعلم عددها الا الله بهذه السبب۔

(الحسن بن علی ص۲۰۱)

اور جس کے بارے میں یہ خیال کرو کہ وہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے ساتھ محبت اور دوستی رکھتا ہے اس کو سزا دو اور اس کا مکان گرا دو اور کوفہ میں متعدد مکانات اسی وجہ سے گرائے گئے جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اموی گورنروں کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا۔

انظروا الى من قامت عليه البيّنة انه يحب عليًّا

واهل بيته فامحوه من الديوان (اى الوظيفه)
واسقطوا عطاءه۔
اس بات کی تفتیش کرو کہ جو آدمی حضرت علی اور آپ کی اہل بیت کے ساتھ محبت رکھتا ہے اس کا مقرر کردہ وظیفہ اور روزینہ ختم کر دو۔
(الحسن بن علی صد ۱۰۲ حاشیہ)

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی کلام سے ثابت ہوا کہ حق حضرت علی شیرِ خدا کی جانب تھا اور جو لوگ حضرت علی شیرِ خدا کی حمایت کرتے تھے وہ بھی حق پر تھے اور جن لوگوں نے حضرت علی کے زمانہ میں حضرت علی شیرِ خدا کا ساتھ نہ دیا اور آپ کی حمایت نہ کی آخر کار ان میں سے بعض حضرات نے اپنے اس عمل پر ندامت اور پشیمانی کا اظہار کیا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے آخری زمانہ میں کہا کہ مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہے جتنا اس بات پر ہے کہ میں نے حضرت علی کا ساتھ کیوں نہ دیا۔

ابراہیم نخعی کی روایت ہے کہ مسروق[1] بن اجدع حضرت علی کا ساتھ نہ دینے پر توبہ واستغفار کرتے تھے اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کو اس بات پر سخت ندامت رہی کہ وہ حضرت علی کے خلاف جنگ میں حضرت معاویہ کے ساتھ کیوں شریک ہوئے تھے۔

(خلافت وملوکیت صد ۱۴۵، بحوالہ طبقات ابن سعد صد ۱۸۷ ج ۱۔ الاستیعاب صد ۳۷ ج ۱)

---

[1] رفع الحجاب عن فصل الخطاب صد ۲۸۸۔

ان حضرات کی آخر کار اپنے عمل پر اظہار ندامت اس پر واضح دلالت ہے کہ تمام حق حضرت علی شیر خدا کے ساتھ تھا۔ غرضیکہ اموی حکمرانوں کو جس شخص کے بارے میں علم ہو جاتا کہ فلاں شخص حضرت علی اور حضرت علی کی اہل بیت کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور ان کا ساتھ دیتا ہے تو اسی وقت اس کو سخت سے سخت سزا دی جاتی۔

امام حسن مجتبیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے تھے۔ آپ بڑے بردبار اور حلیم الطبع تھے۔ اموی حکمران آپ کے ساتھ بڑی بڑی زیادتیاں کرتے تھے مگر آپ برداشت کرتے اور درگذر فرماتے۔

اس کتاب "امام حسن اور خلافت راشدہ" میں ایک تقدیم ہے جس میں نواصب اور خوارج کے بارے میں مختصر گفتگو کی گئی ہے۔ اور اس میں چار باب ہیں۔

باب اول میں امام حسن کے فضائل ومناقب کا ذکر ہے۔

باب دوم میں امام حسن کی خلافت راشدہ کا ذکر ہے۔

باب سوم میں امام حسن کا حضرت معاویہ کے ساتھ صلح کے معاہدہ کے بارے میں ذکر ہے۔

باب چہارم میں امام حسن کی وفات کا ذکر ہے۔

نیز اس باب میں ذکر کیا گیا ہے کہ بنو فاطمہ، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی اولاد ہیں۔

اللّٰھم صل علی محمّد وعلیٰ آل محمّد۔

مفتی غلام رسول

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

اللہ تعالٰے نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آلِ پاک کی شان کو بلند کیا ہے۔ اور ان کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کیا ہے۔ کسی قائل نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

وال رسول اللہ لا زال امرھم
قویمًا علی ارغام انف النواصب

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آلِ پاک کی شان پاک کو اللہ تعالیٰ مستحکم اور مضبوط رکھے۔ اہلِ بیت کے دشمنوں کے ناک خاک آلودہ ہوں یہ بات نفس الامر کے مطابق واقع ہوئی ہے کہ اللہ تعالٰے نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلِ بیت اطہار کی شان کو بلند کیا ہے اور اہل بیت کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کیا ہے اور اہلِ بیت رسول کی مودّت

ومحبت دین اسلام کے فرائض میں سے ہے۔ یہ مسئلہ کوئی صرف نظریاتی نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے۔ اہلِ بیت اطہار کی یہ محبت فرض اور عین ایمان ہے جس کا دل اور ضمیر اس محبت سے خالی ہے وہ بے دین، منافق اور ناصبی وخارجی ہے۔ ناصبی اور خارجی وہ ہے جو مولائے کائنات حضرت علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ اور آپ کی اہل بیت اور بنو فاطمہ سے بغض وعناد رکھتا ہو اور ان کے ساتھ عداوت ودشمنی اپنا جزوِ ایمان سمجھتا ہو۔ چنانچہ نصب دائمی حسد اور بغض وعناد کو کہتے ہیں۔ اہل بیت رسول کے ساتھ بغض وعناد رکھنا کفر ونفاق ہے اور اہلِ بیت اطہار کے ساتھ بغض وعناد رکھنے والے کو ناصبی کہتے ہیں۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ تدریب الراوی میں لکھتے ہیں۔ النصب ھو بغض علی وتقدیم معاویۃ (تدریب الراوی) کہ ناصبیت حضرت علی کے ساتھ بغض رکھنے اور معاویہ کو ان پر ترجیح دینے کو کہتے ہیں۔

حافظ ابن عساکر المتوفی ۵۶۶ھ نے تہذیب میں بھی یہی ذکر کیا ہے کہ جو لوگ حضرت علی کے ساتھ بغض رکھنے کو اپنا دین اور مذہب سمجھتے ہیں وہ ناصبی ہیں ان کو خارجی بھی کہا جاتا ہے۔ (تہذیب ابن عساکر ص۳۴۹ ج۴) اگرچہ ناصبی اور خارجی میں فرق ہے کہ ناصبی وہ لوگ ہیں جو اہل بیت سے دشمنی رکھتے ہیں اور خارجی وہ ہیں جو یہ کہتے تھے ان الحکم الا للّٰہ۔ یعنی حکم صرف اللہ تعالےٰ کے لیے ہے۔ یہ لوگ جب بھی حضرت علی کو دیکھتے یہی نعرہ لگاتے تے۔ حضرت علی فرمایا کرتے ظاہرًا تو تمہارے لفظ صحیح ہیں لیکن تمہاری مراد باطل ہے۔ ناصبیوں کو خارجی اس بنا پر کہا گیا ہے کہ خارجی

بھی حضرت علی کے ساتھ دشمنی رکھتے تھے ورنہ خارجی تمام مسلمانوں کو بھی کافر سمجھتے تھے۔ غرضیکہ ناصبیوں کو خارجی بھی کہا جاتا ہے۔ نواصب اور خوارج کا بانی مروان بن حکم تھا۔ یہ ناصبیوں کا رئیس بلکہ نصب کی بنیاد ہی اس نے رکھی تھی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی المتوفی ۱۲۳۹ھ لکھتے ہیں اونیز از جملہ نواصب بلکہ رئیس آں گروہ بود (تحفہ اثنا عشریہ صہ۹۹) مروان بن حکم نواصب (خوارج) میں سے تھا بلکہ اس بدبخت گروہ کا رئیس اور سرغنہ تھا۔ نواب صدیق حسن خان المتوفی ۱۳۰۷ھ، ناصبیوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کا مذہب نصب ہے اور نصب تدین ببغض علی کرم اللہ وجہہ است (ہدیۃ السائل الی ادلۃ المسائل صہ۴۹۶) کہ نصب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بغض و عناد کو اپنا دین اور ایمان بنا لینا ہے۔ مروان بن حکم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کی اہلِ بیت کا بہت بڑا دشمن تھا اور امام حسن مجتبیٰ کا بڑا بے ادب اور گستاخ تھا۔ اس کے دل میں اہلِ بیت اور بنو فاطمہ کا دائمی حسد اور بغض تھا۔ بایں وجہ یہ بہت بڑا منافق تھا۔ جو شخص نصب کے مرض میں مبتلا ہو وہ منافق ہوتا ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم کتاب الایمان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضرت علی نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے دانہ اگایا اور جان کو پیدا کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی ان لا یحبنی الا مومن و لا یبغضنی الا منافق۔ کہ نہیں محبت کرے گا مجھ (علی) سے مگر مؤمن اور نہیں بغض رکھے گا مجھ سے مگر منافق (صحیح مسلم کتاب الایمان)۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ جو شخص حضرت علی شیر خدا

سے بغض و عناد رکھتا ہے وہ منافق اور ناصبی ہے۔

حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ مروان بن حکم جب مدینہ منورہ پر حضرت معاویہ کا والی مقرر تھا وہ ہر جمعہ کو منبر پر حضرت علی کو گالیاں دیا کرتا تھا اور حضرت امام حسن بن علی نے اسے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے تیرے باپ الحکم پر اُس وقت لعنت کی ہے جب تو اس کی صلب (پشت) میں تھا اور نیز آپ نے فرمایا ہے اللہ تعالےٰ نے الحکم اور اس کی اولاد پر لعنت کی ہے۔

(البدایہ والنہایہ صد ۱۲۰۹ ج ۸)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ مروان بن الحکم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرے کا سب سے بڑا سبب تھا کیونکہ اس نے حضرت عثمان کی طرف سے ایک جعلی خط اس وفد کے لوگوں کے قتل کرنے کے لیے مصر لکھا

(البدایہ والنہایہ، ج ۸)

سیّد انور شاہ کاشمیری المتوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا والی مقرر کر کے بھیجا اور حضرت عثمان کا کاتب وسیکرٹری مروان بن حکم تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو حکم دیا کہ وہ یہ لکھے۔ اذا جاءکم محمد بن ابی بکر فاقبلوہ۔ جب محمد بن ابی بکر تمہارے پاس آئیں تو انہیں قبول کر لو، مروان نے فاقبلوہ کی بجائے فاقتلوہ ان کو قتل کر دو لکھ دیا۔ اس پر یہ فتنے بھڑک اُٹھے۔

(فیض الباری ج ۲)

خلافت وملوکیت میں ہے کہ مروان کا باپ حکم بن ابی العاص جو حضرت عثمان کا چچا تھا فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوا تھا اور مدینہ منورہ آکر رہ گیا

مگر اس کے بعض حرکات کی وجہ سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا اور طائف میں رہنے کا حکم کر دیا تھا۔ حافظ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ نے الاستیعاب میں اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اکابر صحابہ کے ساتھ راز میں جو مشورے فرماتے تھے ان کو کسی نہ کسی طرح الحکم معلوم کرکے وہ افشاء کرتا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقلیں اتارا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔ بہر حال کوئی سخت قصور ہی ایسا ہو سکتا ہے جس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ سے اس کے اخراج کا حکم صادر فرمایا۔ مروان اس وقت ۷، ۸ برس کا تھا اور وہ بھی اس کے ساتھ طائف میں رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ان سے عرض کیا گیا کہ اسے واپسی کی اجازت دے دیں۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی اسے مدینہ منورہ آنے کی اجازت نہیں دی گئی مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اس کو واپس بلا لیا۔

اور ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی سفارش کی تھی اور حضور نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اسے واپسی کی اجازت دے دیں گے۔ اس طرح یہ دونوں باپ بیٹا طائف سے مدینہ منورہ آگئے اور حضرت عثمان نے اسے اپنا کاتب اور سیکرٹری بنا لیا۔ (خلافت وملوکیت ص۱۱۱، بحوالہ

الاصابہ صد ۳۲۴ ج ۱۔ الریاض النضرہ صد ۴۳، ج ۲)۔

نیز خلافت و ملوکیت میں ہے کہ مروان بن الحکم طلقاء کے خاندان کے افراد میں سے تھا۔ طلقاء سے مراد مکہ مکرمہ کے وہ خاندان ہیں جو آخر وقت تک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دعوتِ اسلامی کے مخالف رہے فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو معافی دی اور وہ اسلام میں داخل ہوئے۔ حضرت معاویہ، ولید بن عقبہ اور مروان بن الحکم اپنی معافی یافتہ خاندان کے افراد تھے۔

(خلافت و ملوکیت صد ۱۰۹)

علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ اپنی کتاب العبر ۳۱ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ اسی ۳۱ھ میں حکم بن ابی العاص مروان کا والد مرا۔ یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا تھا وکان یفشی سر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقیل کان یحاکیہ فی مشیہ فطردہ الی الطائف وسبہ فلم یزل طریدا الی ان استخلف عثمان فادخلہ المدینۃ واعطاہ مائۃ الف۔

یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز فاش کر دیا کرتا تھا۔ پس حضور پاک نے اسے طائف میں جلا وطن کر دیا اور اس پر لعنت بھیجی وہ جلا وطن ہی رہا۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو اسے مدینہ میں داخل کیا اور ایک لاکھ (درہم) عطیہ اسے دیا۔ (خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ صد ۴۸۷ بحوالہ العبر جزء اول صد ۳۲)۔

علامہ بدرالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ نے محدث اسماعیلی سے ایک روایت بیان کی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول

نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعن ابا مروان ومروان فی صلبہ مروان کے باپ پر اس حالت میں لعنت کی جبکہ مروان باپ کی صلب (پشت) میں تھا۔ پس مروان اللہ کی طرف سے جو اس کے باپ پر لعنت ہے اس میں حصے دار ہے۔

حافظ ابن کثیر نے امام نسائی کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ولکن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لعن ابا مروان ومروان فی صلبہ فمروان فضض من لعنۃ اللّٰہ۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مروان کے باپ (الحکم پر اس حالت میں لعنت بھیجی جبکہ مروان باپ کی صلب (پشت) میں تھا۔ پس مروان اللہ کی لعنت میں (جو اس کے باپ پر ہے) حصّے دار ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے بھی اسماعیلی کے حوالہ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے۔ امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم بن ابی العاص پر اور اس کی اولاد پر لعنت کی ہے۔

(مستدرک ص۴۸۱، ج۴)

حافظ ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن کثیر کے حوالے سے پہلے یہ گذر چکا ہے کہ مروان بن الحکم برسرِ منبر حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پر سب وشتم کرتا تھا اور مروان بن الحکم کی یہ بھی عادت قبیحہ تھی کہ جب حضرت علی شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ کا نام لیتا تھا تو بطور تحقیر وتذلیل حضرت علی کو ابو تراب کہتا تھا۔ یہ حضرت علی شیرِ خدا کی کنیت تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور پیار ومحبت کے آپ کو عطا فرمائی تھی مگر مروان طنزاً اس لفظ

کو خاک آلودہ کے معنے میں استعمال کرتا تھا۔ چنانچہ عربی میں ابو کا لفظ بطور مضاف صرف باپ کے معنے میں نہیں آتا، والے کے معنے میں بھی آتا ہے۔ ابو ہریرہ کے معنے بھی بلی کے باپ نہیں ہیں بلکہ بلی والے کے ہیں۔ مروان طنزاً اس لفظ کو خاک آلودہ کے معنٰے میں استعمال کرتا تھا۔ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کے حامیوں کو بھی امیر معاویہ کے گورنر اور ساتھی ترابیہ کے نام سے پکارتے تھے۔

چنانچہ حجر بن عدی کے خلاف جب کوفے کا گورنر زیاد بغاوت کا مقدمہ بنا رہا تھا تو اس نے جو خط امیر معاویہ کو اس سلسلہ میں لکھا اسے تاریخ طبری جلد ۴ صد ۲۰۲ پر نقل کیا گیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ موجود ہیں ان الطواغیت فی ھذہ الترابیہ السبائیۃ راسھم حجر بن عدی خالفوا امیر المؤمنین۔ ان ترابیہ سبائیہ گروہ کے طاغوتوں نے جن کا سردار حجر بن عدی ہے امیر المؤمنین (معاویہ) کی مخالفت شروع کر رکھی ہے۔ ظاہر ہے کہ زیاد کا یہ خط جو بالآخر حجر بن عدی کے قتل کا سبب ثابت ہوا اس میں ان کے لیے ترابیہ کا لفظ اور وہ بھی سبائیہ کے ساتھ نہ تعریفی جملہ ہو سکتا ہے نہ اس سے فقط لغوی معنے مراد ہو سکتا ہے بلکہ اسے یقیناً تحقیر آمیز مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب خاک آلودہ اور خائب و خاسر (یعنی ذلیل) ہوتا ہے۔

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ صد ۱۲۱)

حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔ کان بعض بنی امیۃ یعیب علیا بتسمیۃ ابا تراب وھذا الاسم انما سماہ بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کما ثبت فی الصحیحین۔ بنو

امیہ کے بعض افراد حضرت علی کی کنیت ابوتراب کی وجہ سے عیب چینی کرتے تھے حالانکہ یہ کنیت تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائی تھی جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ثابت ہے۔

(البدایہ والنہایہ ص۳۳۶ جلد ۷)

مسند احمد بن حنبل میں یہ روایت مذکور ہے خطب المغیرہ بن شعبہ فنال من علی، مغیرہ بن شعبہ نے خطبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عیب گوئی کی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ کان مغیرۃ بن شعبۃ علی الکوفۃ اذا ذکر علیا فی خطبۃ ینقصہ بعد مدح عثمان و شیعتہ فیغضب حجر ھذا فیظھر الانکار علیہ (البدایہ والنہایہ ص۵۰ ج ۸) مغیرہ بن شعبہ کوفہ کا گورنر تھا تو وہ خطبے میں حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کی تعریف کے بعد حضرت علی کی تنقیص شان کرتا تھا۔ اس پر حضرت حجر بن عدی غضبناک ہو کر احتجاج کرتے تھے۔

ابوالفداء عماد الدین بن اسماعیل شافعی الملک المؤید المتوفی ۷۳۲ھ اپنی تاریخ المختصر فی اخبار البشر میں لکھتے ہیں۔ کان معاویۃ و عمالہ یدعون لعثمان فی الخطبۃ یوم الجمعۃ ویسبون علیاً ویقعون فیہ (المختصر فی اخبار البشر ص۹۹ ج ۲)۔ معاویہ اوران کے گورنر جمعہ کے خطبہ میں حضرت عثمان کے حق میں دعا کرتے تھے اور حضرت علی پر سب وشتم اور ان کی بدگوئی کرتے تھے۔

نیز لکھتے ہیں کان خلفاء بنی امیۃ یسبون علیا رضی اللہ عنہ من سنۃ احدیٰ واربعین وھی السنۃ اللتی خلع الحسن فیھا نفسہ من الخلافۃ الیٰ اول سنۃ تسع وتسعین فلما

ولی عمرا ابطل ذالك (المختصر الجزء الثانی صد ۱۲۰) خلفائے (امراء) بنی امیہ نے ۴۱ھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کا آغاز کیا اور یہ وہ سال ہے جب (امام) حسن خلافت سے دست بردار ہوئے۔ یہ سلسلہ ۹۹ ہجری کے اوائل تک جاری رہا۔ جب حضرت عمر (بن عبد العزیز) خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کا خاتمہ کیا۔

ابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ اپنی تصنیف جوامع السیرۃ کے ساتھ ملحقہ رسالہ اسماء الخلفاء والولاۃ میں لکھتے ہیں۔ کان بنو امیۃ یستعملون من لعن علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ ولعن بنیہ الطاہرین بنی الزہراء وکلھم علی ھذا احاشا عمر بن عبد العزیز و یزید بن ولید فانہما لم یستجیزوا ذالك۔ بنوامیہ نے ایسے گورنر مقرر کیے جو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادگان بنی فاطمۃ الزہراء پر سب وشتم کرتے تھے۔ ان سب کا یہ ہی حال تھا سوائے عمر بن عبد العزیز اور یزید بن ولید کے کہ ان دونوں نے اس لعن طعن کی اجازت نہیں دی۔

محقق ابوزہرہ مصری اپنی تاریخ المذاہب الاسلامیہ صد ۳۸ ج ۱ میں لکھتے ہیں کہ بنوامیہ کا عہد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قدر و منزلت اور تعظیم و تکریم میں مزید اضافے کا موجب ثابت ہوا۔ لان معاویۃ سن سنۃ سیئۃ فی عہدہ وفی من خلفہ من الامویین حتّٰی عہد عمر بن عبد العزیز وتلك السنۃ ھی لعن امام الہدیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عقب تمام خطبۃ۔ کیونکہ امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں ایک بری سنت قائم کی جو ان کے بعد جانشینوں نے بھی

عمر بن عبدالعزیز کے عہد تک جاری رکھی ۔ یہ سنت یہ تھی کہ امام ھدیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پر خطبہ جمعہ کے آخر میں لعنت کی جاتی تھی ۔ دوسرے صحابہ کرام نے اس پر انکار کیا ۔ امیر معاویہ اور آپ کے گورنروں کو اس سے منع کیا حتیٰ کہ ام المومنین حضرت اُم سلمہ نے امیر معاویہ کی طرف خط لکھا جس میں اس فعل سے باز رہنے کو کہا اور اس میں لکھا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر برسر منبر لعن طعن کرتے ہو اور یہ اس طرح کہ علی بن ابی طالب پر اور جنہوں نے ان سے محبت کی ان پر لعنت بھیجتے ہو ۔ واشھد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احبہ ۔ اور میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی محبوب تھے ۔

(خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ صہ ۱۲۶)

شیخ راضی آل یاسین اپنی کتاب صلح الحسن میں لکھتے ہیں کہ علی بن محمد بن ابی یوسف ابوالحسن المدائنی نے کتاب الاحداث میں ذکر کیا ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنے گورنروں اور حاکموں کو کہا کہ تمام برسر منبر یلعنون علیا ویبرؤن منہ ویقعون فیہ وفی اھل بیتہ ۔ اور مغیرہ بن شعبہ کو کہا لاتترک شتم علی کہ حضرت علی بن ابی طالب پر کبھی بھی سب وشتم ترک نہ کرو ۔ اور زیاد تو لوگوں کو کوفہ میں محل کے دروازے پر جمع کرتا اور ان کو کہتا کہ حضرت علی پر لعنت کرو جو ان میں سے انکار کرتا اس کو تلوار سے قتل کر دیتا اور بصرہ میں حضرت معاویہ کا گورنر بسر بن ارطاۃ تھا وہ منبر پر خطبہ دیتے وقت حضرت علی کو سب وشتم کرتا تھا اور مدینہ منورہ میں حضرت معاویہ کا گورنر مروان بن حکم تھا ۔ یہ منبر پر حضرت علی پر جمعہ کے دن سب وشتم کرتا تھا ۔ ابن حجر مکی نے کہا ہے وکان الحسن یعلم ذالک ولا یدخل

المسجد الا عند الاقامۃ۔ کہ امام حسن (مجتبیٰ) یہ جانتے تھے کہ مروان حضرت علی کو گالیاں دیتا ہے۔ آپ پہلے مسجد میں تشریف نہ لے جاتے بلکہ اقامت کے وقت جاتے۔ مروان ملعون اپنے اس گندے کرتوت سے راضی نہ ہوتا تو پھر امام حسن کے گھر آدمی بھیجتا تھا تاکہ وہ آپ کے باپ اور آپ کو زبردست گالیاں دے۔ (صلح الحسن صد ۳۱۵)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ مروان علیہ اللعنۃ کو بُرا کہنا چاہیے اور اس سے دل بیزار رہنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین اور اہل بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان سے رکھتا تھا اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بیزار رہنا چاہیے۔
(فتاویٰ عزیزیہ صد ۳۸۰)

مروان بن الحکم ملعون بن ملعون نہایت خبیث تھا اور یہ شیطان تھا۔ قرآن وسنت کا بھی بے ادب تھا۔ چنانچہ اس نے قرآن پاک کا وہ نسخہ آگ میں جلا دیا جس کی کتابت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ المتوفی ۱۳ھ نے زید بن ثابت المتوفی ۴۵ھ سے کرائی تھی۔ جس کی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ المتوفی ۳۵ھ نے نقلیں کرا کے بلاد اسلامیہ میں بھجوائی تھیں۔ چنانچہ امام طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں یہ قرآن مجید مکتوب (لکھا ہوا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی وفات تک رہا۔ پھر یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۴ھ کے پاس ان کی وفات تک رہا۔ پھر یہ قرآن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا المتوفاۃ ۴۵ھ کے پاس رہا۔ حضرت عثمان غنی نے یہ قرآن ان سے طلب کیا مگر حضرت حفصہ نے واپسی کی شرط کے بغیر اسے دینے کا انکار کر دیا اور اسی شرط پر (کہ واپس کرنا ہے)

یہ قرآن حضرت عثمان کے حوالے کیا۔ حضرت عثمان نے اس کی نقلیں تیار کر کے اسے حضرت حفصہ کو واپس کر دیا۔ اور یہ حضرت حفصہ کے پاس رہا یہاں تک کہ مروان نے بعد میں اسے منگوایا فاخذ ہا فحرقہا پس اسے لیا اور جلا دیا۔

(مشکل الآثار ص۲ ج ۳)

نیز مروان بن الحکم نے شرعی اور اسلامی امور میں تغیر و تبدّل اور کمی و بیشی کی۔ چنانچہ اس نے عید کی نماز سے خطبہ کو مقدم کیا۔ شیخ محمود الحسن دیو بندی التقریر للترمذی میں لکھتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے نماز عیدین سے قبل خطبہ دیا وہ مروان بن حکم تھا۔ مروان بے حد درجہ کا ظالم اور سنت نبوی سے پیٹھ دکھانے والا اور اس سے منہ موڑنے والا تھا۔ جمعہ اور عیدین کے اجتماع میں سب وشتم کرتا تھا اور لوگ اس کے سب وشتم کی وجہ سے نماز عید کے بعد اس کے خطبے کا انتظار کیے بغیر چلے جاتے تھے اس لیے اس نے نماز پر خطبے کو مقدم کیا تاکہ لوگ منتشر نہ ہو سکیں کیونکہ ان کے لیے نماز کا انتظار تو ناگزیر تھا۔

علامہ رشید احمد گنگوہی دیوبندی الکواکب الدری میں ذکر کرتے ہیں۔
اول من خطب قبل الصلوٰۃ مروان بنیۃ فاسدۃ فکان یعرض فی خطبتہ باھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ولیسیٔی الادب بھم۔ کہ مروان نے سب سے پہلے بُری نیت کے ساتھ عید کا خطبہ نماز پر مقدم کیا کہ وہ اپنے خطبہ میں اہلِ بیت نبی پر لعن و تعریض کرتا تھا اور ان کے حق میں بے ادبی کرتا تھا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا اور وہ اہل بیت کی اس ایذا رسانی پر صبر نہ کر سکے تو وہ نماز کے بعد چلے جاتے تھے تب مروان نے خطبہ مقدم کیا تاکہ لوگوں کو مجبور کر کے ایسا

خطبہ سنائے پس اس کا یہ فعل خبث کا مظاہرہ تھا جس پر لوگوں نے اظہار نفرت کیا۔ (اعتراضات کا تجزیہ صد۴۴۶)

غرضیکہ مروان بن حکم بنو ہاشم کا دشمن تھا اور اہل بیت رسول کا بہت بڑا بے ادب اور گستاخ تھا۔ بالخصوص امام حسن مجتبٰی کے ساتھ سخت دشمنی رکھتا تھا اور آپ کے ساتھ بدکلامی اور بدتمیزی کرتا تھا حالانکہ امام حسن اور امام حسین رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے اور نواسے تھے۔ حضور پاک نے ان دونوں کے لیے خطبہ کو چھوڑا اور ان کے پاس گئے اور ان کو اپنے ساتھ منبر پر لے آئے اور فرمایا کہ تمہاری تعظیم اور تمہارے ساتھ محبت کی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت امام حسن آپ کے کندھے پر تھے آپ فرما رہے تھے کہ اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔ نیز حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ امام حسن اور امام حسین آگئے جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کرتے تھے۔ یہ دونوں آپ کی پشت مبارک پر چڑھ جاتے لوگوں نے ان دونوں کو روکنا چاہا۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں سے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں جس نے ان دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔

امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرا یہ بیٹا (حسن) سردار ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسن کو اپنے کندھے پر اُٹھائے ہوئے باہر نکلے ایک شخص نے امام حسن کو کہا کہ تمہاری کیا اچھی سواری ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا یہ سوار بھی کیا اچھا ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام حسن کا بہت اعزاز واکرام کرتے تھے اور آپ سے محبت کرتے تھے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امام حسن کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی امام حسن اور امام حسین کا احترام کرتے تھے اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، حضرت حسن کا بہت اعزاز واکرام کرتے تھے اور جب امام حسن وامام حسین سوار ہوتے تو حضرت ابن عباس ان کی رکاب پکڑ لیتے اور اسے اپنے اوپر وہ احسان سمجھتے۔ امام حسن علیہ السلام کی عزت وتکریم فرض ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام صحابہ کرام ان کی عزت کرتے تھے اور تمام امتِ مسلمہ ان کی عزت کو واجب اور فرض سمجھتی ہے۔ مگر مروان بن الحکم چونکہ ازلی بدبخت اور منافق تھا۔ بایں وجہ وہ آپ سے اور اہل بیت اطہار سے عداوت ودشمنی رکھتا تھا۔

مروان بن الحکم کی گردن میں اس کے غلیظ اور گندے کرتوتوں کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں لعنت کا طوق پڑا ہوا ہے اور اللہ تعالےٰ کی بارگاہِ اقدس میں دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اہل بیت اطہار کے ساتھ عقیدت ومحبت اور ان کے دامن سے وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور بنو فاطمہ کے طفیل ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ ؎

خدایا بحق بنی فاطمہ — کہ برقول ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من ودست داماں آلِ رسول

مفتی غلام رسول

باب اوّل

امام حسن مجتبیٰ کے فضائل ومناقب

امام حسن مجتبیٰ ۳ ھ نصف رمضان مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے امام حسن، حضرت علی شیرِ خدا اور سیّدہ فاطمۃ الزہرا کے پہلے بیٹے ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں دن دو مینڈھے عقیقہ کے ذبح کیے اور سر کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ دیا۔ آپ کا اسم گرامی حسن اور کنیت ابو محمد اور لقب تقی، زکی، سیّد، طیّب، ولی، مجتبیٰ، شبیہ رسول ہیں۔ آپ اپنے والد گرامی کے بعد امام ہوئے،

آپ کا نسب یہ ہے۔

حسن بن فاطمۃ الزہراء (زوجہ علی بن ابی طالب) بنت محمد رسول اللہ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش)، اور آپ کی والدہ ماجدہ فاطمۃ الزہراء بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

یعنی آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے اور بیٹے ہیں۔ بایں وجہ

آپ کو سبط الرسول بھی کہا جاتا ہے۔ آپ بارہ اماموں سے دوسرے امام ہیں۔ نیز خلفاء راشدین میں سے آخری خلیفہ ہیں۔ آپ کی خلافت نص سے ثابت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی اور اس کے بعد بادشاہت ہوگی اور تیس سال خلافت کی مدت امام حسن علیہ السلام کی چھ ماہ خلافت سے مکمل ہوتی ہے۔ لہٰذا امام حسن کی خلافت منصوص ہوئی نیز امام حسن علیہ السلام کی خلافت پر اجماع بھی ہے۔ (صواعق محرقہ صد ۱۳۳)

امام حسن خلفاء راشدین میں سے پانچویں خلیفہ ہیں۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

امام حسن مجتبیٰ کی اولاد

امام حسن علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔

۱۔ زید	۲۔ حسن مثنیٰ
۳۔ حسین الاثرم	۴۔ طلحہ
۵۔ اسماعیل	۶۔ عبداللہ
۷۔ حمزہ	۸۔ یعقوب
۹۔ عبدالرحمٰن	۱۰۔ ابوبکر
۱۱۔ قاسم	۱۲۔ عمر

اور پانچ بیٹیاں تھیں۔

۱۔ فاطمہ	۲۔ اُم سلمہ
۳۔ اُم عبداللہ	۴۔ اُم الحسین
۵۔ اُم الحسن	

اور بعض علماء نے چھ بیٹیاں ذکر کی ہیں۔ (۶) رقیہ ہیں۔

حضرت امام حسن کی نسل پاک چار بیٹوں یعنی زید، حسن مثنیٰ، حسین الاثرم اور عمر سے جاری ہوئی تھی مگر حسین الاثرم اور عمر کا سلسلہ اولاد جلدی ختم ہوگیا اور عبداللہ اور قاسم اور ابوبکر کربلا میں شہید ہوگئے اور طلحہ، اسماعیل، حمزہ، یعقوب، عبدالرحمٰن کی آگے کوئی اولاد نہیں ہے۔ اب دنیا میں صرف زید بن حسن مثنیٰ اور حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ کی اولاد ہے۔

حضرت زید بن حسن مجتبیٰ

حضرت زید کے آگے بیٹے ابو محمد حسن تھے یہ سیاہ لباس پہنا کرتے تھے ان کی وفات ۱۶۱ھ ہے اور ابو محمد حسن کے آگے سات بیٹے تھے۔

(۱) قاسم (۲) علی سدید (۳) زید
(۴) قاسم (۵) عبداللہ (۶) اسحاق
(۷) اسماعیل۔

ان ساتوں کی آگے اولاد ہے۔ ان میں سے علی سدید کے متعدد بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام شجاع تھا جس کی اولاد میں سے مشہور و معروف ولی کامل حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری المتوفی ۴۶۵ھ بھی ہیں ان کا نسب یہ ہے۔

علی بن عثمان بن علی بن عبدالرحمٰن بن شجاع بن ابوالحسن علی سدیدی بن ابو محمد الحسن بن زید بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب، جن کا مزار اقدس

لاہور پاکستان میں مرجع خلائق ہے۔

حضرت حسن مثنیٰؑ بن حسن مجتبیٰ

حضرت حسن مثنیٰؑ جلیل القدر عالم فاضل تھے۔ آپ کربلا میں تشریف لے گئے تھے۔ جنگ میں سخت زخمی ہو گئے۔ اختتام جنگ کے بعد ان کو سسکتے ہوئے دیکھا گیا تو اسماء بن خارجہ بن عینیہ بن خضر بن حذیفہ بن بدر فزاری ان کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ اور ان کا علاج کیا یہ ٹھیک ہو گئے اور امام حسین علیہ السلام شہید کربلا کی بیٹی فاطمہ ان کے نکاح میں تھی جس سے ابراہیم الغمر اور حسن مثلث اور عبداللہ المحض پیدا ہوئے۔ یہ تینوں طرفین سے فاطمی ہیں اور حسن مثنیٰؑ کے دو بیٹے اور بھی تھے، داؤد اور جعفر۔ ان دونوں کی والدہ کا نام حبیبہ تھا۔ غرضیکہ حضرت حسن مثنیٰؑ کے پانچ بیٹے تھے۔

حضرت عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰؑ

امام عبداللہ المحض والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہیں۔ امام عبداللہ المحض کی پیدائش مسجد میں ہوئی۔ چنانچہ علامہ ابوالفرج اصفہانی المتوفی ۳۵۶ھ لکھتے ہیں ولد عبد اللہ بن الحسن فی بیت فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی المسجد کہ عبداللہ بن حسن مثنیٰؑ کی پیدائش فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں مسجد میں ہوئی۔ یہ بہت بڑی سعادت صرف امام عبداللہ المحض کو حاصل ہوئی۔ امام عبداللہ المحض کی کنیت ابو محمد ہے اور آپ کا لقب شیخ بنو ہاشم ہے۔ آپ اپنے زمانہ میں بنو ہاشم کے سردار تھے۔ آپ کو المحض اس لیے

کہتے ہیں کہ ان کے والدگرامی حسن مثنّٰی بن حسن مجتبیٰ ہیں اور آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسین (شہید کربلا) ہیں۔ آپ عالم فاضل تھے۔

حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ عبداللہ المحض قریشی ہاشمی ہیں آپ سے روایت کرنے والے سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ اور امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ وغیرہ ہیں۔ آپ علماء کے نزدیک معظم عالی قدر، عابد ہیں۔

(البدایہ والنہایہ صہ۹۵ ج ۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب الہاشمی المدنی ابو محمد المحض آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسین بن علی ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والے آپ کے بیٹے بھی ہیں اور امام مالک، لیث بن ابی سلیم، ابوبکر بن حفص بن عمر بن سعد، سفیان ثوری، محدث داروردی، ابن ابی المعالی، ابو خالد الاحمر، عبدالعزیز بن عبدالمطلب، روح بن قاسم، حسین بن زید بن علی بن الحسین، اسماعیل بن علیہ اور دیگر بے شمار محدثین ہیں۔

(تہذیب التہذیب صہ۱۸۶ ج ۵)

منصور خلیفہ عباسی نے اپنے دور حکومت میں عبداللہ المحض اور آپ کے خاندان واولاد پر انتہائی تشدد اور ظلم وستم کیا ان کو قتل کیا اور عبداللہ المحض کو بھی قتل کردیا۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں۔ وقتل عبداللہ بن الحسن بالہاشمیۃ وھو ابنا خمس وسبعین سنۃ خمس واربعین ومائۃ۔ کہ عبداللہ بن حسن کو ہاشمیہ کے مقام پر ۷۵ سال کی عمر ۱۴۵ھ میں قتل کیا گیا۔

(مقاتل الطالبین صہ۱۷۱، تاریخ الفخری صہ۲۴۶)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آپ کی نماز جنازہ آپ کے بھائی حسن مثلث بن حسن مثنیٰ بن حسن مجتبیٰ نے پڑھائی۔

(البدایہ والنہایہ صـ۱۲۴ ج ۸)

امام عبداللہ المحض کی اولادِ امجاد

امام عبداللہ المحض کے سات بیٹے تھے۔

۱۔ محمد نفس ذکیہ ۲۔ ابراہیم رضیہ ۳۔ یحییٰ ۴۔ سلیمان

۵۔ ادریس ۶۔ عیسیٰ ۷۔ موسیٰ الجون

اور علامہ نسابہ محمد بن حسین بن عبداللہ الحسینی السمرقندی المدنی المتوفی ۹۹۶ھ تحفۃ الطالب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ المحض کے چھ بیٹے تھے انہوں نے عیسیٰ کا ذکر نہیں کیا۔

موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض

موسیٰ الجون کی کنیت ابوالحسن ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کنیت ابوعبداللہ ہے۔ جون کا معنے سیاہ، سفید، سرخ خالص سبزی سیاہی مائل ہے۔ جون باب نصر کا مصدر ہے۔ جان یجون جونا اور جون کی جمع جون ہے اگر تجون باب تفعل سے ہو تو عرب کہتے ہیں۔ تجون باب العرس اس نے دُلہن کے دروازے کو سیاہ کر دیا۔ حضرت موسیٰ الجون کا لقب الجون ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ کو الجون بوجہ سیاہ رنگ ہونے کے کہا جاتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ الجون کا معنے سفید ہے۔ آپ کا رنگ سفید ہو۔ اس بنا پر آپ کو الجون کہا جاتا ہو۔ حضرت موسیٰ الجون

جلیل القدر عالم فاضل تھے۔ حضرت موسیٰ الجون عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے تک زندہ رہے اور مقام سویقیہ میں وفات پائی۔ حضرت موسیٰ الجون کے تین بیٹے تھے۔

۱۔ محمد بن موسیٰ الجون، ان کی اولاد مختفی (پوشیدہ) ہوگئی تھی۔
۲۔ ابراہیم بن موسیٰ الجون ان کی اولاد کثیر تھی۔
۳۔ عبداللہ الشیخ الصالح بن موسیٰ الجون۔

اور عبداللہ الشیخ الصالح کے پانچ بیٹے تھے۔

۱۔ سلیمان ۲۔ احمد مسوّر ۳۔ یحییٰ السویقی ۴۔ صالح
۵۔ موسیٰ ثانی

اور موسیٰ ثانی کے سات بیٹے تھے۔

۱۔ ادریس ۲۔ یحییٰ ۳۔ محمد الاکبر ۴۔ الحسن
۵۔ علی ۶۔ صالح ۷۔ داؤد الامیر

اور آگے داؤد الامیر کے تین بیٹے تھے۔

۱۔ موسیٰ۔ ان کی نسل آگے جاکر ختم ہوگئی تھی۔
۲۔ حسن۔ ان کی نسل جاری ہے۔
۳۔ محمد

ان تینوں بھائیوں کو ابن رومیہ کہا جاتا ہے۔ ان کی ماں ام ولد رومیہ تھی اور داؤد الامیر کے بیٹے جو محمد تھے ان کے بیٹے یحییٰ زاہد تھے اور یحییٰ زاہد کے بیٹے عبداللہ تھے اور عبداللہ کے بیٹے ابو صالح موسیٰ تھے اور ابو صالح موسیٰ کے بیٹے شیخ سیّدنا عبدالقادر جیلانی تھے۔

علامہ شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے طبقات کبریٰ صـ ۱۲۷ جلد اول میں حضرت

شیخ عبدالقادر جیلانی کا سلسلہ نسب جو ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہے۔

حضرت سیّدنا عبدالقادر جیلانی

بن

سیّد ابوصالح موسیٰ

بن

سیّد عبداللہ

بن

سیّد محمد

بن

سیّد یحییٰ زاہد

بن

سیّد محمد

بن

سیّد داؤد الامیر

بن

سیّد موسیٰ ثانی

بن

سیّد عبداللہ

بن

سیّد موسیٰ الجون

بن

سیّد عبداللہ المحض

بن

سیّد حسن مثنیٰؓ

بن

سیّدنا سبط الرسُول حسن مجتبیٰ

بن

سیّدنا فاطمۃ الزہراء (زوجہ علی بن ابی طالب)

بنت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سنہ ۴۷۰ھ میں قصبہ گیلان (ایران) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی اُم الخیر فاطمہ ہے جن کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے۔

اُم الخیر فاطمہ

بنت

سیّد عبداللہ صومعی

بن

سیّد ابو جمال

بن

سیّد محمد

بن

سیّد محمود

بن

سیّد عبداللہ

بن

سیّد کمال الدین عیسیٰ

بن

سیّد ابو علاؤ الدین محمد الجواد

بن

سیّدنا علی الرضا

بن

سیّدنا موسیٰ کاظم

بن

سیّدنا امام جعفر صادق

بن

سیّدنا امام محمد باقر

بن

سیّدنا امام زین العابدین

بن

سیّدنا امام حسین شہید کربلا (سبط الرسول)

بن

سیّدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
غرضیکہ امام عبداللہ المحض اپنے والد اور والدہ دونوں کی طرف سے فاطمی یعنی حسنی اور حسینی ہیں۔ بایں وجہ جو سادات عبداللہ المحض کی اولاد اور نسل پاک میں سے ہیں وہ اپنے کو اس نسبت اعلیٰ کی وجہ سے حسنی اور حسینی سیّد کہلاتے ہیں۔

حضرت سیّدنا غوث اعظم عبدالقادر جیلانی بغدادی چونکہ امام عبداللہ المحض کی اولاد سے ہیں آپ بھی اس نسبت اعلیٰ کی وجہ سے حسنی اور حسینی سیّد ہیں۔ نیز آپ اپنے والد ماجد کی طرف سے حسنی ہیں اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حسینی ہیں۔ آپ دونوں جانب سے نجیب الطرفین ہیں۔ آپ کی وفات ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ میں ہوئی ہے۔ اور آپ بغداد میں دفن ہوئے اور آپ کی مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔

علامہ شریف حسینی نے تحفۃ الطالب کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

ان الشیخ عبدالقادر الجیلانی کان عالمًا فاضلًا وھومن السادات الحسنیۃ الذین ینتھی نسبھمؓ الیٰ ابناء موسیٰ الثانی بن عبداللّٰہ بن موسیٰ الجون بن عبداللّٰہ المحض بن الحسن المثنّٰی بن الحسن المجتبیٰ بن الامام علی بن ابی طالب۔

کہ بے شک شیخ عبدالقادر جیلانی عالم فاضل تھے۔ آپ سادات حسنیہ سے ہیں جن کا نسب اولاد موسیٰ ثانی بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن مثنی بن حسن مجتبیٰ بن امام علی بن ابی طالب تک پہنچتا ہے اور علامہ شریف حسینی یہ بھی لکھتے ہیں کہ عمدۃ الطالب کے مؤلف ابن عنبہ (عتبہ) المتوفی ۸۲۸ھ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (بغدادی) کے نسب

پر دو اعتراض کیے ہیں۔

پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی سید نہیں ہیں۔ کیونکہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے سادات حسنی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی آپ کی اولاد میں سے کسی نے کہا ہے کہ ہم سادات حسنیہ سے ہیں صرف آپ کے بیٹے کے بیٹے قاضی ابو صالح نصر بن ابی بکر بن عبدالقادر جیلانی نے کہا ہے کہ ہم سادات حسنی ہیں اور ہمارا نسب موسیٰ ثانی بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن مثنی بن حسن مجتبیٰ بن امام علی بن ابی طالب تک منتہی ہوتا ہے۔ جب شیخ عبدالقادر جیلانی نے خود اور آپ کی اولاد نے اس نسب کا دعویٰ نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نسبی طور پر حسنی سید نہیں ہیں۔

اور دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے والد گرامی کا اسم (لقب) عجمی ہے عربی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے والد گرامی کا لقب جنگی دوست ہے اور جنگی دوست عجمی نام ہے جب وہ حجاز اور عرب میں رہے تھے تو ان کا جنگی دوست عجمی نام کیسے ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی سید نہیں ہیں۔

یہ وہ دو اعتراض تھے جو عمدۃ الطالب کے مؤلف نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نسب (حسنی سید ہونے) پر کیے ہیں۔

علامہ شریف حسینی نے اپنی کتاب (تحفۃ الطالب) میں ان اعتراضات کو نقل کرنے کے بعد ان کا جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں اعتراض بنیادی طور پر غلط ہیں۔ چنانچہ پہلے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے

ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے اور آپ کی اولاد میں سے اس نسب حسنی کا دعویٰ اس لیے نہیں کیا کہ آپ تمام زندگی علم تصوف اور علوم دینیہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ اسی طرح آپ کی اولاد بھی علوم دینیہ و طلبۂ علم دین کی خدمت میں مصروف رہے اور نسب کے مسئلہ کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی اور آپ کے بیٹے کے بیٹے قاضی ابو صالح نصر بن ابی بکر چونکہ قاضی تھے اور عالم علم شریعت بھی تھے اور آپ کو اپنے نسب حسنی کے صحیح ہونے پر دلائل قویہ ظاہر ہوئے۔ یہ دلائل اور قرائن چونکہ صحت نسب پر دلالت کرتے تھے ان کو جمع کیا اور اپنے سادات حسنی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اگر شیخ عبدالقادر جیلانی نے خود اپنے نسب یعنی حسنی کا دعویٰ نہیں کیا تو اس سے آپ کے صحت نسبی کی نفی نہیں ہوتی (تحفۃ الطالب صہ۲۸)

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ عمدۃ الطالب والے کا یہ اعتراض (کہ نسب کا دعویٰ نہیں کیا) بنیادی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے نسب یعنی حسنی سیّد ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ چنانچہ آپ قصیدہ غوثیہ[۱] میں فرماتے ہیں۔

انا الحسنی والمخدع مقامی   واقدامی علی عنق الرجال

۱؎ مصنف بہجۃ الاسرار نے کہا ہے کہ قصیدہ غوثیہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی کی تصنیف ہے نیز علامہ عبدالرحمٰن جامی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ جیسے صاحب علم و فضیلت والے اس قصیدہ غوثیہ کو پڑھتے رہے ہیں اور قصیدہ غوثیہ جب حضرت غوث اعظم کی تصنیف ہے آپ نے اپنے نسب کے بارے میں اس میں فرمایا ہے کہ میں حسنی سید ہوں تو ثابت ہوا کہ آپ نے اپنے نسب کا اظہار بھی فرمایا ہے اور جو عمدۃ الطالب والے نے کہا ہے وہ غلط ہے۔ ۱۲۔

کہ میں امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور میرا مقام مخدع (خاص مقام) ہے اور میرے قدم اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہیں۔

عبدالقادر المشہور اسمی!
وجدی صاحب العین الکمال

اور میرا نام عبدالقادر مشہور ہے اور میرے نانا پاک (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چشمہ جمیع کمال ہیں (قصیدہ غوثیہ)

اب اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے حسنی سیّد ہونے کا دعویٰ اور اظہار کیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ "عمدۃ الطالب" والے کا یہ قول کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے نسب کا دعویٰ نہیں کیا غلط ہے۔

علامہ شریف حسینی دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان صاحب العمدۃ لم یتحقق ما کتب وکان من الواجب علیہ ان یتحقق من عمود النسب لا سیما ان کثیرا من انساب اھل البیت اختلطت با لقاب اعجمیۃ لکثرۃ ھجرات اھل البیت وتفرقھم وکما قال صاحب التحفۃ فقد یسمٰی فی بلاد العرب باسماء العجم

(حاشیہ تحفۃ الطالب ص۲۸)

بے شک صاحب عمدۃ الطالب نے جو بات لکھی ہے وہ غیر تحقیق ہے اور صاحب عمدۃ پر لازم تھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا نسب استقامت کے طریقہ پر بیان کرتا۔ بالخصوص اہل بیت کے نسب عجمی لقبوں کے ساتھ مختلط ہوگئے ہیں۔ کیونکہ اہل بیت نے عجمی شہروں کی طرف ہجرتیں کیں اور منتقل ہوگئے۔ چنانچہ صاحب تحفۃ الطالب نے کہا ہے

کہ عرب شہروں میں عجمی نام بھی رکھے جاتے ہیں۔ غرضیکہ عمدۃ الطالب نے حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے نسب کے بارے میں جتنی گفتگو کی ہے وہ غیر تحقیقی اور بے بنیاد ہے۔ اس کو چاہیے تھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا نسب علیٰ طریق استقامت بیان کرتا رہا یہ کہ آپ کے والدگرامی کا لقب جنگی دوست ہے جو کہ عجمی ہے وہ بایں وجہ ہے کہ اہل بیت اطہار نے عجمی ملکوں کی طرف ہجرت کی اور عجمی ملکوں کی طرف منتقل ہوئے تو اہلِ بیت نے اپنے نام اور لقب عجمی رکھ لیے۔

آخر میں علامہ محقق نسابہ شریف حسینی لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے والد کا نام موسیٰ ہے ان کی کنیت ابوصالح ہے اور لقب جنگی دوست ہے اور جنگی دوست کا معنے جلیل القدر اور عظیم الشان ہے۔ اس کی تائید صاحب معجم الشیوخ نے بھی کی ہے۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نسب کے حسنی اور صحیح ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ آپ کا نسب یہ ہے۔

عبدالقادر جیلانی بن ابی صالح موسیٰ جنگی دوست بن عبداللہ الجیلی بن محمد بن یحییٰ زاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنّٰی بن الامام الحسن المجتبیٰ بن امام امیر المؤمنین علی بن ابی طالب۔

(حاشیہ تحفۃ الطالب ص۲۹)

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ عمدۃ الطالب کے مؤلف کا قول ہم پر حجت نہیں ہے۔ کیونکہ عمدۃ الطالب کے مؤلف مسلک کے اعتبار سے شیعہ ہیں اور ہم خالص اہلِ سنت والجماعت (بریلوی) ہیں۔ لہٰذا عمدۃ الطالب

کے مؤلف کا یہ قول ہمارے نزدیک مذہبی تعصب پر مبنی اور غیر معتبر ہے
غرضیکہ سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی صحیح النسب نجیب الطرفین حسنی
سیّد ہیں اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔ آپ امام حسن مجتبیٰ
بن علی بن ابی طالب کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ عرب تھے آپ کے والد
ماجد کا لقب جنگی دوست (عجمی) بایں وجہ ہے کہ اہل بیت اطہار حکومت
وقت کے ظلم و تشدد کی وجہ سے ہجرت کر کے ملک عجم کی طرف آ گئے۔
اور عجم میں رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے عجمیوں والے نام اور لقب رکھ لیے
یہ نام رکھنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ عرب نہیں رہے۔ جو عرب تھے یا جن کے
آباء و اجداد عرب تھے اگر وہ ملک عرب چھوڑ کر عجم میں آ گئے تو وہ عرب ہیں
اور ملک عرب براعظم ایشیا کے انتہائی جنوب مغربی حصہ میں واقع ہے۔
چونکہ اس ملک کے تین طرف سے سمندر ہے اور چوتھی طرف سے دریائے
فرات نے جزیرہ کی طرح گھیر رکھا ہے اس لیے اس ملک کو جزیرۃ العرب
بھی کہتے ہیں۔ اس کے شمال میں شام و عراق اور مغرب میں بحر احمر (بحیرہ
قلزم) جو مکہ معظمہ سے بجانب مغرب تقریباً ستر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔
اور جنوب مغرب میں بحر ہند اور مشرق میں خلیج عمان و خلیج فارس ہیں۔

علماء جغرافیہ نے جزیرہ عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ التہامہ ۲۔ الحجاز ۳۔ النجد ۴۔ العروض ۵۔ یمن

حجاز یہ ملک کے مغربی حصہ میں بحیرہ قلزم کے ساحل کے قریب
واقع ہے اور حجاز سے ملے ہوئے ساحل سمندر کو جو نشیب میں واقع ہے
تہامہ یا غور پست زمین کہتے ہیں اور حجاز سے مشرق کی جانب جو ملک کا حصہ
ہے وہ نجد بلند زمین کہلاتا ہے۔ حجاز چونکہ تہامہ اور نجد کے درمیان حاجز او

حائل ہے اس کو حجاز کہتے ہیں۔ اور یمن نجد کے علاقہ سے بحر ہند کے جنوب اور بحر احمر کے مغربی جانب سے ملا ہوا ہے اور مشرقی جہت سے یہ حضر موت اور عمان سے ملا ہوا ہے یمن اور حضر موت کے میدانوں میں قوموں کی متعدد لڑائیاں بھی ہوتی رہیں۔

چنانچہ ان لڑائیوں کے باعث خاندان تبع تباہ و برباد ہوا اور اس زمانہ میں مآرب کے مقام پر ایک ڈیم تیار کیا گیا جس سے یمن کا علاقہ سرسبز و شاداب ہوگیا۔ پھر اس قوم (سبا) نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب نازل ہوا زبردست بارش شروع ہوئی۔ پانی نے سیلاب کی صورت اختیار کرلی۔ ڈیم ٹوٹ گیا جس نے تباہی مچادی اس سیلاب نے قوم سبا کی بادشاہت کو ہمیشہ کے لیے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔

اور العروض کا علاقہ یمامہ، عمان اور بحرین پر مشتمل ہے اس کو عروض اس لیے کہتے ہیں کہ یہ یمن، نجد اور عراق کے درمیان حد فاصل ہے۔

اور عرب کے مؤرخین نے اہل عرب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) العرب البائدہ (۲) العرب الباقیہ

اور العرب البائدہ وہ قبائل ہیں جو کہ فناہ و تباہ ہوگئے ہیں۔ یہ فنا ہونے والے مشہور قبائل عاد، ثمود، طسم، جدیس وغیرہ ہیں۔

اور بعض مؤرخین نے کہا ہے یہ قدیم عرب قبائل بالکل فناہ نہیں ہوئے بلکہ ان کی نسل موجود ہے جن کو عمالقہ کہا جاتا ہے اور بعض اس کا انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عمالقہ عرب بائدہ کی نسل سے نہیں ہیں۔ کیونکہ عرب البائدہ

لے سیرت مصطفےٰ، بحوالہ دول العرب ص۱۴)

کی نسل کے جملہ قبائل ختم ہو گئے تھے۔ اور عرب الباقیہ کی آگے دو مشہور شاخیں ہیں۔

(۱) العرب العاربہ (۲) العرب المستعربہ

اور العرب العاربہ کا مشہور شعب قحطان تھا ان کا وطن یمن تھا ان کے دو مشہور قبیلے ہیں۔

اول جرہم دوم۔ یعرب

اور یعرب کی اولاد میں سے کہلان اور حمیر ہیں جن سے آگے بے شمار قبائل اور خاندان ہوئے اور حمیر کے مشہور بطن کا نام قضاعہ ہے اور قضاعہ کی شاخوں کے مشہور قبیلے یہ ہیں۔

جہینہ، کلب، بہرہ، بنو نہد اور بنو کہلان کی نسل سے مشہور قبائل یہ ہیں۔

ازد، جو، اوس، خزرج ادر جفنہ کا جد اعلیٰ تھا اور جفنہ کی اولاد ہی غسان کہلاتی ہے اور طے، مزحج، ہمدان وغیرہ اور پہلے اشارۃً گذر چکا ہے کہ سبا کے بادشاہوں نے یمن کے سیراب کرنے کے لیے ایک ڈیم تعمیر کیا جو بعد میں غضب الٰہی نازل ہونے کی وجہ سے ٹوٹ گیا جس سے تمام علاقے میں سیلاب آگیا۔ تمام بستیاں، آبادیاں، قصبے اور دیہات صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ تمام باغات اور کھیت تباہ و برباد ہو گئے وہاں سے قبیلہ ثعلبہ بن عمرو نے حجاز کی طرف رخ کیا اور مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مدینہ منورہ کی اس وقت آبادی یہود کی تھی۔ قبیلہ ثعلبہ نے یہود پر غلبہ حاصل کیا اور وہاں کے حاکم بن گئے اور قبیلہ حارثہ بن عمرو جنہیں خزاعہ کہا جاتا ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کی طرف گئے وہاں پہنچ کر مکہ مکرمہ کے

باشندوں کو جن کا تعلق جرہم ثانیہ سے تھا ان کو جلا وطن کر دیا اور خود مکہ مکرمہ پر قابض ہو گئے اور قبیلہؔ عمران بن عمرو عمان کی طرف چلا گیا وہاں جا کر اقامت گزین ہو گیا اور قبیلہ جفنہ بن عمرو شام کی طرف گئے اور ایک ایسے چشمے پر قابض ہو گئے جو غسان کے نام سے مشہور تھا یہ اسی نسبت سے غسانی کہلائے اور لخم بن عدی کا قبیلہ حیرہ کی طرف چلا گیا وہاں سکونت اختیار کی ان میں سے نصر بن ربیعہ ہے جو مناذرہ خاندان کے بادشاہوں کا جداعلیٰ ہے۔ بنی طے کا قبیلہ وہاں سے چل کر اجاء اور سلمیٰ دو پہاڑوں کے درمیان اقامت پذیر ہوا اور بنو قضاعہ کی ایک شاخ کلب بن دبرہ صحراء سماوہ کی طرف منتقل ہو گئے اور العرب الباقیہ کی دوسری شاخ العرب المستعربہ ہے کیونکہ ان کے جداعلیٰ کی مادری زبان عربی نہیں تھی چنانچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی مادری زبان عبرانی تھی جب بنو قحطان کا قبیلہ جرہم مکہ مکرمہ میں وارد ہوا۔ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ پہلے ہی سکونت پذیر تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی بھی بنو جرہم کی ایک خاتون سے ہوئی۔ اسی قبیلے سے آپ نے اور آپ کی اولاد نے عربی زبان سیکھی۔ اسی وجہ سے ان کو العرب المستعربہ کہا جاتا ہے۔

جزیرہ عرب کے درمیانی علاقوں میں اور حدود حجاز سے لے کر بادیہ شام تک جتنے عرب ہیں ان کی اکثریت عرب مستعربہ سے ہے اور ملک عرب کا علاقہ حجاز جو ہے اس علاقہ کے مشہور مقامات یہ ہیں۔

لہ سیرت ضیاء النبی صد ۲۵۳ ج ۱۔

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، طائف، تبوک، فدک، غدیر خم۔
اور مکہ مکرمہ حجاز کا یہ مشہور شہر مشرق میں جبل ابو قبیس اور مغرب میں جبل قیقعان دو بڑے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ اور اس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں۔ اس شہر میں آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور مکہ مکرمہ میں ہر سال ذوالحجہ کے مہینہ میں تمام دنیا کے لاکھوں مسلمان حج کے لیے آتے ہیں اور مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے تقریباً تین سو بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں ہی آپ کا روضہ مقدس ہے اور ملک عرب کے ہی تمام لوگ عرب ہیں۔ اگرچہ وہ ترک وطن کر کے ملک عجم کی طرف منتقل ہو گئے اور عجمیوں والے نام وغیرہ رکھ لیے۔
حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اپنے نسب کے اعتبار سے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی عرب ہیں۔
چونکہ سیدنا عبدالقادر جیلانی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت اور اولاد سے ہیں۔ اس لیے سیدنا عبدالقادر جیلانی کا نسب وہی ہے جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ اور اس نسب کو وہ فضیلت اور برتری حاصل ہے جو کسی دیگر نسب کو نہیں ہے۔
چنانچہ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
ینقطع یوم القیامۃ کل سبب و نسب الا سببی و نسبی۔
(مسند احمد بن حنبل صہ۳۲۳ ج ۴، مستدرک صہ ۱۵۸، کنز العمال صہ ۹۸ ج ۱)

علامہ آلوسی بغدادی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں وھو خبر مقبول لا کیاد یردہ الامن فی قلبہ شائبۃ نصب۔

(تفسیر روح المعانی صہ۶۵ ج ۹)

یہ حدیث مقبول ہے اس پر وہی شک کرے گا جس کے دل میں ناصبیت اور خارجیت ہے اور علامہ آلوسی یہ بھی لکھتے ہیں لا ینفع نسب یومئذ الا نسبہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ کہ قیامت کے دن کسی کا نسب کسی کو فائدہ نہیں دے گا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب حضور پاک کی اولاد کو فائدہ دے گا۔

غرضیکہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اپنے نسب کے اعتبار سے حسنی سیّد ہیں اور سادات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں۔ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب ہیں لہٰذا حضور پاک کی اولاد سادات بھی عرب ہیں۔ اگر سادات میں سے بعض ترک وطن کر کے ملک عجم میں منتقل ہو گئے اور ان میں سے کسی نے اپنا نام اور لقب عجمی رکھ لیا تو اس سے ان کے عربی ہونے میں فرق نہیں پڑتا۔ عرب تو عرب ہی ہیں جہاں وہ ہوں۔ نیز عربوں کے نسب محفوظ ہیں اور اہل عرب نے اپنے نسبوں کی حفاظت کی ہے علم انساب ان کے نزدیک مہتم بالشان ہے اور اس علم کے ساتھ ہی اصول و فروع کی پہچان ہوتی ہے اور شریعت اسلامیہ نے علم انساب کی معرفت اور رعایت کا اہتمام کیا ہے اور اس پر احکام شرعیہ کو مرتب کیا ہے اور تمام سے اشرف اور برتر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک کی معرفت واجب اور ضروری ہے۔

اور صاحب تحفۃ الطالب لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور قریش کو کنانہ سے برگزیدہ کیا اور ہاشم کو قریش سے برگزیدہ کیا۔ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی ہاشم سے برگزیدہ کیا اور سیدہ فاطمۃ الزہراء کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برگزیدہ کیا اور حسن وحسین کو علی اور فاطمہ سے برگزیدہ کیا۔

وقد حث علی تعلمہ وحفظہ النبی المختار وقال علیہ السلام فی صحیح الاخبار تعلموا من انسابکم۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم نسب کے سیکھنے اور اس کو محفوظ رکھنے پر ترغیب دلائی اور صحیح احادیث میں فرمایا کہ اپنے نسبوں کو سیکھو اور یاد کرو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نسب کا لوگوں کو تعارف کرایا تاکہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کو پہچان سکیں۔

اور اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں فرمایا۔

قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔

(سورۃ الشوریٰ ۔۲۳)

اور ظہور اسلام سے قبل بھی بعض عربوں نے اپنے نسبوں کو عدنان تک اور بعض نے حضرت اسماعیل علیہ السلام تک اور بعض نے آدم علیہ السلام تک محفوظ رکھا ہوا تھا۔

(مقدمہ تحفۃ الطالب صد۲)

اور اہلِ عرب اپنے نسب کے بارے میں بڑے غیرت مند اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کرتے تھے۔ چنانچہ عہد جاہلیت کا ایک

دانشور اور عقل مند آدمی اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا تھا اے میرے بیٹو عورتوں کا ظاہری حسن و جمال تمہیں نسب کی پاکیزگی سے غافل نہ کرے کیونکہ کمینہ صفت اور بدکردار بیویاں خاندانی شرف کو خاک میں ملا دیتی ہیں، ابوالاسود الدوئلی نے اپنے بیٹوں کو کہا تھا کہ میں نے تم پر احسان کیا جب تم چھوٹے تھے اور جب تم بڑے ہوئے اور اس سے پہلے بھی کہ تم پیدا ہوتے۔

قالوا کیف احسنت الینا قبل ان نولد قال اخترت لکم من الامھات من لا تسبون بھا۔

انہوں نے پوچھا کہ ہماری پیدائش سے پہلے آپ نے ہم پر کیا احسان کیا ہے تو اس نے کہا کہ میں نے تمہارے لیے ایسی پاک دامن مائیں چنی ہیں جن کی وجہ سے تمہیں کوئی گال نہیں دے سکتا۔

الریاشی شاعر جو کہ عرب ہے وہ کہتا ہے اے بیٹو! میرا پہلا احسان تم پر یہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے ایسی ماں پسند کی جو عراق میں مجد و شرف کی مالک تھی اور اس کی پاک دامنی ظاہر تھی۔

(ضیاء النبی صہ۳۰۶ ج ۱)

ثابت ہوا کہ اسلام کے ظہور سے پہلے اور اسلام کے ظہور کے بعد عرب اپنے نسبوں کی حفاظت کرتے تھے اور اپنے نسبوں کو یاد کرتے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکماً فرمایا کہ اپنے نسبوں کو یاد کرو اور سیکھو اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب پاک تمام دنیا کے نسبوں سے افضل و برتر ہے اور سادات کرام جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد و ذریت ہیں ان کا نسب حضور پاک کا نسب

ہونے کی وجہ سے اعلیٰ وافضل ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں آپ کا نسب بلا شک وریب صحیح ہے۔جس طرح سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اپنے نسب کے لحاظ سے بلند اور برتر ہیں اسی طرح آپ اپنے کمالات اور علم وفضل میں بے مثل ہیں اور آپ مقام ولایت کے قاسم ہیں اور کرامات کے ظہور میں اپنی مثال آپ ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ جب آپ بغداد میں آئے تو حدیث کی سماعت کی پھر فقہ، علوم حقائق اور فن خطابت میں یدطولیٰ حاصل کیا آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کے علاوہ اکثر خاموش رہتے تھے۔ اور خلفاء وزراء اور سلاطین اور قضاۃ اور خاص وعام کو امر بالمعروف فرمایا کرتے، آپ کا زہد وتقویٰ اس قدر زیادہ تھا کہ خوارق عادت وکرامات ومکاشفات کا اکثر ظہور ہوتا رہتا تھا۔ آپ برسر منبر ظالم حکام اور گورنروں کی مذمت کیا کرتے تھے اور خدا کی راہ پر عمل کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی قطعاً پرواہ نہ کرتے تھے۔

آپ کے حالات، مکاشفات، مہمان نوازی اور توکل سے بھرپور تھے۔ آپ ہر شب مہمانوں کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے۔ضعیف اور کمزور لوگوں کی ہم نشینی اختیار فرماتے، طالب علموں کے ساتھ صبر وضبط سے پیش آتے اور آپ کے پاس بیٹھنے والا ہر فرد یہ ہی محسوس کرتا کہ سب سے زائد شفقتیں آپ کی اس پر ہیں۔ غیر حاضر لوگوں کے حالات دریافت فرماتے۔ دوستی کی پاسداری کرتے۔ لوگوں کی غلطیوں کو معاف کر دیتے۔

(قلائدالجواہر صفحہ ۳)

شیخ الاسلام عزالدین المتوفی ۶۶۶ھ بیان کرتے ہیں کہ جس تواتر کے ساتھ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کرامات ہم تک پہنچی ہیں اس تواتر کے ساتھ کسی اور ولی کی کرامتیں نہیں دیکھی گئیں۔

(قلائدالجواہر صہ ۴۶۹)

محی الدین نووی المتوفی ۶۷۲ھ بستان العارفین میں بیان کرتے ہیں کہ جس کثرت سے ثقہ راویوں کے ذریعہ ہم تک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کرامات پہنچی ہیں علم نہیں کہ کسی اور شیخ کی اس قدر کرامتیں ظاہر ہوئی ہوں۔ آپ حنابلہ اور شافعیہ کے سادات کے شیخ تھے اور اسی طرح اپنے دور کی روحانی حکومت کو بام عروج تک پہنچایا آپ کے فیض صحبت سے بے شمار اکابر فیض یاب ہوئے۔ عراق کے مشائخ آپ سے منسوب ہیں۔ آپ کے ارادت مندوں میں قابل فخر صاحبان روحانیت کا جم غفیر رہا ہے۔ لاتعداد لوگ آپ کے تلامذہ میں سے بلند مقامات پر پہنچے۔ تمام مشائخ کا آپ کی فضیلت پر اتفاق ہے۔ بڑے بڑے صاحبان عظمت مشائخ آپ کے فرمان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اطراف عالم سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور نذریں پیش کرتے اور اہل سلوک بھاگ بھاگ کر آپ کی خدمت میں پہنچتے رہتے۔

آپ اعلیٰ اوصاف واخلاق کے حامل نہایت متواضع اور بہت زیادہ عقل کے مالک تھے، احکام شرعیہ پر سختی سے عمل کرتے اور اہلِ علم کی تعظیم کرتے۔ بدعتی لوگوں کو ناپسند کرتے اور طالبان حق سے محبت کرتے تھے پوری زندگی مجاہدے اور مراقبہ میں مشغول رہے۔ اہل معرفت کے لیے آپ کا کلام معارف سے بھرا ہوا کرتا تھا۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی حد کو

توڑتا تو آپ سخت غصّہ کرتے تھے۔ سخاوت اور کریم النفسی آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔

خلاصہ یہ کہ اس دور میں آپ جیسا کوئی شیخ پیدا نہیں ہوا۔ (قلائد الجواہر صد ۴۷۶)

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی، فقیہ وزاہد اور عابد و واعظ تھے۔ لوگوں کو گناہ کی سزا سے ڈرایا کرتے تھے۔ بے شمار لوگ آپ کے ہاتھ پر تائب ہوئے آپ سے اس کثرت کے ساتھ کرامتیں منقول ہیں کہ آپ کے اہل عصر یا آپ کے بعد آنے والے اولیاء سے منقول نہیں ہیں اور آپ کی بہت قدر و منزلت تھی۔ (قلائد الجواہر صد ۴۶۹)

رئیس الحنفیہ ملا علی القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں کہ محی الملت والدین عبدالقادر الحسنی والحسینی قدس اللہ روحہ کی کرامات حد تواتر سے تجاوز کر گئی تھیں۔ یہ بات متفق علیہ ہے کہ جس قدر کرامات آپ سے ظاہر ہوئیں کسی بھی صاحب ولایت سے ظہور میں نہ آئیں۔

(نزہتہ الخاطر فی مناقب شیخ عبدالقادر صد ۳۳)

علامہ عبدالرحمٰن جامی المتوفی ۸۹۸ھ لکھتے ہیں کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کرامات ظاہرہ اور مقامات عالیہ کے مالک تھے۔ علامہ یافعی فرماتے ہیں کہ آپ کی کرامات حد شمار سے باہر ہیں۔

فقد اخبرنی عن ذالك من اعلام الائمة ان كراماته تواترت او قربت من التواتر و معلوم بالاتفاق انه لم يظهر ظهور كراماته لغيره۔ (نفحات الانس صد ۳۵۲)

مجھے بڑے بڑے اماموں نے خبر دی ہے کہ آپ کی کرامات کو تواتر یا قریب تواتر کا مرتبہ حاصل ہے اور آپ کے ہم زمانہ اولیاء میں کسی ولی سے ان جیسی کرامت کے ظاہر نہ ہونے پر اتفاق ہے۔

علامہ یوسف نبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ فرماتے ہیں۔

هو سلطان الاولياء وامام الاصفياء واحد اركان الولاية الاقوياء الذين وقع الاجماع على ولايتهم عند جميع افراد الامة المحمدية من العلماء وغير العلماء رضی اللہ عنهم وعن سائر الاولياء وكراماته رضی اللہ عنه كثيرة جدا قد ثبت (جامع کرامات الاولیاء ص۲۰۰)

آپ اولیاء کے بادشاہ اور اصفیاء کے امام اور ولایت کے مضبوط ستونوں سے ایک ستون ہیں۔ آپ ان اولیاء میں سے ہیں جن کی ولایت پر امت محمدیہ کے علماء اور غیر علماء کا اتفاق ہے۔ اللہ ان سے اور تمام سے راضی ہو اور آپ کی کرامات اتنی زیادہ ہیں کہ تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ میرا اعتماد اور بھروسہ ایک صاحب قدم (سیدنا غوث اعظم) پر ہے جو گردن اولیاء کا مالک ہے اور ہر سالک ان کی خدمت میں سر کے بل جاتا ہے اور ان کے قدموں پر سر رکھتا ہے اور یہ خود ان کی سرفرازی کی وجہ سے ہے جن کا قدم رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پر ہو بلکہ دم بدم قدر رکھتے ہوں ان کے قدم کے نیچے سر کا پائمال ہونا سر کی سعادت ہے۔ اور جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے

بطور وراثت حاصل کیا وہ ان کو پہنچا۔ وارث تو بہت تھے مگر جو کچھ سیدنا عبدالقادر جیلانی کو ملا کسی اور کو نہیں ملا۔ مال کی وراثت برابر تقسیم ہوتی ہے مگر حال اور روحانی وراثت اور دولت برابر تقسیم نہیں ہوتی اور اگر قطب ہیں تو سیدنا عبدالقادر جیلانی قطب الاقطاب ہیں اور اگر دوسرے سلاطین ہیں تو سید عبدالقادر جیلانی سلطان السلاطین ہیں اور محی الدین ہیں جنہوں نے دینِ اسلام کو زندہ کیا اور کفر و شرک کو ختم کیا کہ شیخ مُحیی (دین کو زندہ کرنے والے) وممیت (کفر کو ختم کرنے والے) ہیں زہے مرتبہ اور شان کہ ایجاد دین حی، قیوم سے ہے، اور ان کا احیاء غوث ثقلین سے ہے اور غوث ثقلین اس لیے کہتے ہیں کہ جن وانس ان کی پناہ تلاش کرتے ہیں۔ مجھ بے کس (عبدالحق) نے ان سے پناہ چاہی ہے اور ان کی (غوث اعظم) کی درگاہ پر پڑا ہوں ان کی عنایت کے سوا میرا کوئی نہیں ہے اور نہ ہی ان کے لطف کے بغیر کوئی فریاد رس ہے۔

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم کے متعلق درج ذیل القابات جلیلہ وعظیمہ ذکر کیے ہیں حصول برکت کے لیے ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سیدنا ومولانا الاوحد الشیخ الامام، العارف، الکامل، امام ائمۃ الطریق وشیخ شیوخ الاسلام، علی التحقیق، زینۃ الوجود، ومراۃ الشہود، الباز الاشہب، والطراز الذہب، قطب الاقطاب، وفرد الاحباب اقطب الاکمل الاشرف، والغوث الاعظم الارفع، غوث الثقلین امام الفریقین، العالم الربانی، القطب الفردانی، والغوث الصمدانی محی الدین ابی محمد عبدالقادر الحسنی، الحسینی، الجیلانی قدس اللہ سرہ ونور روحہ واوصل الینا برکاتہ وفتوحہ ورضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی المتوفی ۱۰۳۴ھ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ قضا مبرم کو ٹال دیتے ہیں۔ چنانچہ غوث اعظم فرماتے ہیں کہ قضا مبرم کو تبدیل کرنے کو کسی کو مجال نہیں ہے مگر میں چاہوں تو اس کو تبدیل کر سکتا ہوں۔ مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو بعید سمجھتا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اس دولت سے مشرف فرمایا اور اپنے فضل وکرم سے اس فقیر پر شیخ عبدالقادر جیلانی کی کلام کی حقیقت ظاہر فرمائی کہ قضا معلق دو قسم پر ہے۔ ایک وہ قضا ہے جس کا معلق ہونا لوح محفوظ میں ظاہر فرمایا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دی ہے اور دوسری قضا وہ ہے جس کا معلق ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور لوح محفوظ میں قضا مبرم کی صورت رکھتی ہے اور قضا معلق کی اس دوسری قسم میں تبدیلی ممکن ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا فرمان اس قسم سے متعلق ہے۔ جو قضا مبرم کی صورت رکھتی ہے۔

(مکتوبات شریف مجدد الف ثانی)

اور فتاویٰ برطانیہ میں ہے کہ تقدیر تین قسم پر ہے۔

(۱) مبرم حقیقی کہ علم الٰہی میں کسی شے پر معلق نہیں ہے۔

(۲) معلق محض کہ ملائکہ کے صحیفوں میں کسی شے پر اس کا معلق ہونا ظاہر فرمایا گیا۔

(۳) معلق شبیہ بہ مبرم کہ صحف ملائکہ میں اس کی تعلیق مذکور نہیں ہے اور علم الٰہی میں تعلیق ہے۔ تعلیق کا مطلب یہ ہے کہ اسے کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ مثلاً زید نے اگر والدین کی تابعداری کی تو

اس کی عمر ۸۰ سال ہوگی اور اگر نافرمانی کی تو اس کی عمر ۵۰ سال ہو گی جو تقدیر مبرم حقیقی ہے اس میں تبدیلی ہرگز نہیں ہوتی اور جو معلق محض ہے اس تک اکثر اولیاء کی رسائی ہوسکتی ہے اور تیسری قسم یعنی معلق شبیہ بہ مبرم جو ملائکہ کے صحف کے اعتبار سے مبرم ہے اس تک اکابر اولیاء کی رسائی ممکن ہے۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تقدیر مبرم کو ٹال سکتا ہوں وہ یہی ہے اور اس کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے۔

ان الدعاء یرد القضاء بعد ما ابرم۔

بے شک دعا قضا مبرم کو ٹال دیتا ہے۔

(فتاویٰ برطانیہ صـ۵۴)

اور مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت امیر علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ وصال سے قبل اس مقام ولایت کے ملجاء وماویٰ تھے اور جس کسی کو اس راستے سے فیض پہنچا وہ ان کے وسیلہ سے ہی پہنچا تھا۔

حضرت امیر علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے انتقال کے بعد یہ بلند درجہ کا منصب حضرات حسنین کریمین و دیگر بارہ اماموں سے جو تھے ان کو بالترتیب پہنچتا رہا اور اسی طرح ان بزرگوں دبارہ اماموں کے وصال کے بعد جس کسی کو فیضان ملتا ہے ان ہی کے وسیلہ سے ملتا ہے اور بعد ازاں جتنے اقطاب اور نجباء وقت ہوئے ان کے ملجاء وماویٰ وہی ہوئے ہیں۔ کیونکہ اطراف کو لامحالہ اپنے مرکز سے ملنا پڑتا ہے یہاں

تک کہ یہ مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو ملا۔

مذکورہ بالا ائمہ اہل بیت اور حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے درمیان کوئی شخص اس مرتبہ پر فائز نہیں ہوا، اب اس راستے میں فیوض و برکات جتنے اقطاب، اولیاء اور نجباء کو پہنچتے ہیں ان کے ذریعے سے ہی پہنچتے ہیں۔ کیونکہ فیض کا یہی مرکز ہیں۔ ان کے سوا یہ مرکز کسی کو نہیں ملا۔
(مکتوبات مجدد الف ثانی)

اور شیخ عبداللہ جبائی بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی کا ایک شاگرد عمر حلاوی بغداد سے باہر کہیں چلا گیا۔ جب چند سال گذرنے کے بعد واپس بغداد آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں چلے گئے تھے اس نے کہا کہ میں مصر، شام اور بلاد مغرب کی طرف چلا گیا اور میں نے اس سفر میں تین سو ساٹھ مشائخ کرام سے ملاقات کی ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا کہ جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے علم وفضل کے ہم پلہ ہو سب یہی کہتے تھے کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی ہمارے پیشوا اور شیخ ہیں۔ (قلائد الجواہر صہ ۵۴)

شیخ نجم الدین ابو العباس فرماتے ہیں کہ میرے بھائی ابراہیم کہتے تھے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی محققین کے شیخ، صدیقین کے امام، عارفوں کے لیے حجت اللہ، اور سالکوں کے لیے بارگاہ الہٰی میں حاضری کا ذریعہ ہیں۔ (قلائد الجواہر صہ ۱۴۴)

شیخ ابو البرکات صخر بن مسافر بیان کرتے ہیں کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے زمانہ میں تمام اولیاء کرام سے عہد لیا گیا تھا کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی اجازت کے بغیر کسی کے ظاہر و باطنی احوال میں

بذات خود تصرف نہیں کریں گے کیونکہ آپ کو مقام قدس میں ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور جس طرح آپ کو زندگی میں تکوینی تصرف عطا کیا گیا ہے وہی حیثیت وفات کے بعد حاصل رہے گی۔

شیخ علی ہیتی بیان کرتے ہیں کہ میں شیخ بقا بن بطوء کے ہمراہ امام احمد بن حنبل کی مزار اقدس کی زیارت کی تو دیکھا کہ امام احمد بن حنبل قبر سے نکلے اور سیّد عبدالقادر جیلانی سے معانقہ کیا اور آپ کو خلعت عطا کی اور فرمایا اے عبدالقادر تمام لوگ علم شریعت وطریقت میں تیرے محتاج ہوں گے۔ (قلائدا لجواہر صنہ ۱۴)

محدثین مؤرخین علماء اور مشائخ نے حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنی اپنی کتابوں اور تصانیف اور تحریر وتقریر میں بے شمار کمالات ذکر کیے ہیں اور تمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے کرامات بھی بے شمار اور تواتر سے ثابت ہیں۔

حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ جو اپنی زبان مبارک سے فرما دیتے۔ اللہ تعالےٰ اس کو پورا فرما دیتے۔ حصولِ برکت کے لیے کچھ کرامات بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔

◎

ایک مرتبہ بغداد شریف کا ایک رئیس اور تاجر ابو غالب، حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ حضور میں چاہتا ہوں کہ آپ کی دعوت کروں۔ آپ میرے گھر تشریف لائیں۔ چنانچہ حضور غوث اعظم نے کچھ وقت مراقبہ کیا پھر فرمایا ٹھیک ہے آپ وقت مقرر کے مطابق ابوغالب کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ

کے ساتھ حضرت علی بن ھیتی بھی تھے۔ جب ابو غالب کے گھر پہنچے تو وہاں دیکھا کہ بغداد کے بڑے بڑے مشائخ، علماء اور رئیس لوگ جمع تھے اور دستر خوان بچھا ہوا ہے جس پر مختلف قسم کے کھانے لگے ہوئے ہیں۔ اس دوران ایک بڑا برتن لایا گیا۔ ابو غالب نے اس برتن کو رکھنے کے بعد حضرت غوث اعظم کی خدمت میں عرض کیا حضور کھانا کھائیے مگر غوثِ اعظم سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے کھانا کھانا شروع نہ کیا اور نہ ہی دوسرے لوگوں کو کھانا کھانے کی اجازت دی۔ تمام اہل مجلس خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ وقفہ کے بعد سیّدنا حضور غوث اعظم نے علی بن ھیتی کو فرمایا کہ اس برتن اور مٹکے کو اٹھا لاؤ جب یہ برتن اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا اور اس برتن پر جو کپڑا پڑا ہوا تھا اس کو اٹھایا گیا تو غوث اعظم نے دیکھا کہ اس مٹکے میں ابو غالب کا بیٹا بیمار اندھا، جس کے تمام اعضاء فالج زدہ ہیں وہ موجود ہے۔ حضرت غوث اعظم نے ابو غالب کے اس بیٹے کو فرمایا اٹھو! صحیح وسالم کھڑے ہو جاؤ لڑکا تندرست ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا اور دوڑنے لگا۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے کہ یہ بیمار نہیں تھا۔ یہ دیکھتے ہی لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور شور برپا ہوا۔

(بہجۃ الاسرار صہ۶۳، نزہتہ الخاطر صہ۵۸)

◎

ایک دن ایک عورت حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ حضور دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ حضور غوث اعظم نے مراقبہ کیا اور لوح محفوظ کو دیکھا لیکن اس عورت کی قسمت میں کوئی اولاد نہ تھی۔ فنسال اللہ ان یعطیھا دلدین

پس آپ نے اللہ تعالےٰ سے سوال کیا کہ اس عورت کو دو بیٹے عطا فرما۔
فجاءة النداء من الله ليس لها ولد مكتوب في اللوح وانت تطلب لها ولدين۔

حضرت غوث اعظم کو ندا اور آواز آئی کہ اس عورت کے لیے تو لوح محفوظ میں ایک بیٹا بھی نہیں لکھا ہوا آپ تو اس کے لیے دو بیٹوں کا سوال کرتے ہیں۔ حضرت غوث اعظم نے پھر اس عورت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں تین بیٹوں کا سوال کر دیا۔ تو آپ کو وہی جواب ملا۔ حضرت غوث اعظم نے اس عورت کے لیے چار بیٹوں کا سوال کر دیا۔ پھر وہی جواب ملا پھر آپ نے اس عورت کے لیے پانچ بیٹوں کا سوال کر دیا پھر پہلے کی طرح ہی جواب ملا۔ پھر آپ نے اس عورت کے لیے چھ بیٹوں کا سوال کر دیا تو پھر بھی پہلے کی طرح ہی جواب ملا۔ پھر حضرت غوث اعظم نے اس عورت کے لیے سات بیٹوں کا سوال کر دیا۔ اب غوث اعظم کو ندا آئی اے غوث اتنا ہی کافی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس عورت کو سات بیٹے عطا فرمائے گا۔
(تفریح الخاطر صـ۴۲)

◎

تحفہ قادریہ میں ہے کہ ایک شخص حضور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یہ عالی دربار حاجات کا قبلہ اور نجات کا ملجاء ہے۔ میں ایک لڑکا طلب کرنے کے لیے اس بارگاہ میں عرض کرتا ہوں۔ حضور سیدنا غوث اعظم نے اس کی بات سن کر فرمایا کہ میں نے اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں تمہارے لیے دُعا کی ہے کہ اللہ تعالےٰ سے جس چیز کا تو مطالبہ کرے اللہ تعالےٰ وہ تجھے عطا فرمائے وہ

آدمی اس کے بعد ہر دن سیّدنا غوث اعظم کی مجلس میں حاضری دیتا تھا۔ اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی وہ شخص لڑکی کو لے کر سیّدنا غوث کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا، حضور ہم نے تو لڑکے کے لیے عرض کیا تھا مگر یہ لڑکی ہے حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کو کپڑے میں لپیٹ دو اور گھر چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت ظاہر فرمائے گا۔ چنانچہ حسب ارشاد اس کو کپڑے میں لپیٹ کر گھر لایا فاذا ھی ولد ذکر بقدرۃ اللہ تعالیٰ۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے لڑکی کی بجائے لڑکا ہے۔

(تحفہ قادریہ ص۴۶)

◎

علامہ حامد حرّانی خطیب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں بغداد شریف آیا اور سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے مدرسہ میں گیا۔ آپ کے قریب ایک مصلے پر بیٹھ گیا۔ حضور سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے میری طرف دیکھا۔ فرمایا کہ کیا مسند شاہی پر بیٹھے گا۔ یہ سن کر میں واپس حران آیا تو سلطان نورالدین نے مجھے کہا کہ حامد ملازمت کر لو۔

چنانچہ محکمہ اوقاف کا مجھے نگران اعلیٰ مقرر کیا اور مجھ پر اتنی مہربانی اور نوازش کرتے کہ مجھے اپنی مسند پر بٹھاتے۔ چنانچہ جیسے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا تھا بعینہٖ اللہ تعالےٰ نے اس کو پورا کر دیا۔

(قلائد الجواہر ص۱۲۱)

◎

ابوسعید عبداللہ بغدادی بیان کرتے ہیں کہ میری ایک لڑکی تھی جس

کا نام فاطمہ تھا وہ مکان کے چھت پر چڑھی وہاں سے غائب ہوگئی۔ یہ واقعہ میں نے جاکر سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا آپ نے فرمایا تم کرخ کے جنگل میں چلے جاؤ۔ وہاں پانچوں ٹیلے کے نیچے جاکر زمین پر ایک دائرہ بنالو اور بسم اللہ پڑھ کر یہ نیت کرلو کہ یہ دائرہ میں سیّدنا عبدالقادر جیلانی کی طرف سے قائم کر رہا ہوں اور تم خود دائرہ میں بیٹھ جاؤ۔ رات کو تمہارے پاس سے مختلف صورتوں میں جنوں کی جماعت گذرے گی تم کو خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ صبح کے قریب ایک لشکر جنوں کے بادشاہ کے ہمراہ گذرے گا اور بادشاہ تم سے سوال کرے گا کہ تمہاری حاجت کیا ہے تم کہو کہ مجھے سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور اس بادشاہ کو اپنی لڑکی کے غائب ہونے کا واقعہ بتا دینا۔

چنانچہ ابوسعید عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیّدنا عبدالقادر جیلانی کے حکم کے مطابق عمل کیا تو پہلے مختلف صورتوں میں جن گذرے وہ میرے دائرے میں داخل نہ ہوئے پھر صبح کے قریب گھوڑے پر سوار ان کا بادشاہ آیا اور اس نے میرے پاس کھڑے ہوکر مجھ سے دریافت کیا اور میں نے اپنی لڑکی کا واقعہ بیان کر دیا اور یہ بھی کہا کہ مجھے سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اُتر آیا اور زمین کو بوسہ دیا پھر دائرہ کے باہر بیٹھ گیا اور جنوں سے لڑکی کے بارے دریافت کیا۔ ان سے ایک جن لڑکی کو لیے ہوئے حاضر ہوا اور بادشاہ نے اس سے پوچھا تو نے لڑکی کو کیوں اُٹھایا۔ یہ لڑکی تو قطب دوران کی نگرانی میں تھی اس

جن نے کہا کہ یہ لڑکی مجھے پسند لگی بادشاہ نے اسی وقت اس جن کو قتل کر دیا۔ اور ابوسعید کہتے ہیں کہ میری لڑکی میرے حوالہ کر دی پھر بادشاہ نے کہا کہ حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی دور دراز تک سرکش جنوں کی نگرانی کرتے ہیں۔

جب اللہ تعالےٰ کسی کو قطبیت کا درجہ عطا فرماتے ہیں تو تمام انس وجن پر اس کی دستر (حکومت) عطا فرماتے ہیں۔

(قلائد الجواہر صد ۱۱۵)

◎

علاّمہ عبدالرحمٰن جامی المتوفی ۸۹۸ھ لکھتے ہیں کہ سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا ایک مرید (عقیدت مند) نے بیان کیا ہے کہ جمعہ کے دن حضور سیّدنا غوث اعظم کے ساتھ میں جامع مسجد میں جایا کرتا تھا۔ ایک دن ہم جا رہے تھے کہ کسی آدمی نے نہ آپ سے ملاقات کی اور نہ ہی سلام کیا میں اس پر متعجب ہوا کہ اس سے پہلے جب غوث اعظم نماز جمعہ کے لیے تشریف لاتے تو لوگ آپ سے ملاقات اور سلام کے لیے اتنے آجاتے کہ ہجوم کی وجہ سے مسجد تک پہنچنا مشکل ہوتا تھا مگر آج کیا ہے کہ کوئی شخص سلام کرنے کے لیے حاضر نہیں ہوا۔ یہ خیال جب میرے دل میں آیا تو غوث اعظم نے مسکرا کر میری طرف دیکھا تو اسی وقت لوگ ملاقات اور سلام کے لیے حاضر ہونے لگے اور اتنا ہجوم ہو گیا کہ میرے اور سیّدنا غوث اعظم کے درمیان لوگ حائل ہو گئے۔ اب میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ وہ حالت اچھی تھی اس حالت سے کہ جب لوگوں کا ہجوم نہیں تھا۔ اس کے بعد

حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی میری طرف متوجہ ہوکر فرمانے لگے کہ یہ بات تم نے خود ہی چاہی تھی۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ لوگوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں۔ اگر میں چاہوں تو ان کو اپنی طرف سے پھیر دوں اور اگر چاہوں تو اپنی طرف متوجہ کر لوں۔

(نفحات الانس صد ۳۶۲)

◎

تحفہ قادریہ میں ہے کہ شیخ داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمارے شیخ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے درِ دولت پر سب لوگ حاضر ہوتے تھے اور تمام لوگ اس بارگاہِ عالیہ کے خادم تھے۔ امیر و غریب بارگاہِ غوثیت میں آتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک چور نے خیال کیا کہ حضرت شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی بڑے مال دار ہوں گے۔ اس نے ارادہ کیا کہ آپ کے گھر جاتا ہوں۔ عین ممکن ہے کہ دلی مراد پوری ہو جائے۔ جب گھر میں داخل ہوا کچھ نظر نہ آیا۔ اندھا ہوگیا۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ اس چور کی حالت کو جانتے تھے۔ حضور غوث اعظم نے خیال فرمایا کہ یہ ہماری سخاوت و مروت سے بعید ہے کہ ہمارے گھر کامیابی کے ارادہ سے آئے مگر ناکام جائے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی اسی خیال میں تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی کہ اے عالی ممالک کے والی ایک ابدال اس وقت قضائے الہٰی سے فوت ہوگیا ہے آپ جس کے لیے حکم فرمائیں اس کو اس کی جگہ کا ابدال مقرر کیا جائے۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا ایک شکستہ دل ہمارے یہاں

پڑا ہوا ہے اسں کو لے آؤ اسں کو اس بلند مرتبہ پر مقرر کریں۔ حضرت خضر گئے اس شخص کو آپ کے سامنے پیش کیا جس کو آپ نے ایک نگاہ میں ابدال بنا دیا۔

◎

حضرت شاہ ابوالمعالی تحفہ قادریہ میں یہ واقعہ لکھ کر حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے ارادت مندوں قادریوں کو فرماتے ہیں کہ اے قادری دربار کے فقیرو! تم خوش ہو جاؤ کہ جب حضور سیّدنا غوث اعظم نے ایک ایسے آدمی کو جو غلط نیت سے آپ کی طرف آیا تھا۔ اپنی دولت سے محروم نہیں رہنے دیا جب تو صدق و صفا ارادت مندی سے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو آپ کی دولت سے کیسے محروم رہے گا۔ (تحفہ قادریہ ص۲۰)

غرضیکہ مفسرین، محدثین، مؤرخین، علماء اور مشائخ کی نظر میں حضور سیدنا غوث اعظم کی ہستی ایک بلند و بالا حیثیت رکھتی ہے آپ اپنے علم و فضل، ولایت و کرامات کے اعتبار سے ایک عظیم شخصیت ہیں۔ عمدۃ الطالب کے مصنف اور اس کے حواریوں نے آپ کے نسب پر جو اعتراضات کیے ہیں نہ ان کی کوئی بنیاد ہے اور نہ ان کی کوئی حیثیت ہے۔

حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں تمام علماء و مشائخ نے تصریح کی ہے کہ آپ کا نسب بلا شک و ریب صحیح ہے اور آپ حسنی سیّد ہیں آپ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ امام حسن علیہ السلام اپنے والدین کے سب سے بڑے بیٹے

تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے شدید محبت رکھتے تھے حتیٰ کہ چھوٹی عمر میں رسول پاک ان کے ہونٹوں کو بوسہ دیتے تھے اور بسا اوقات ان کی زبان کو چوستے تھے اور گلے لگا لیتے تھے اور بسا اوقات آپ آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں سجدہ ریز ہوتے تو آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر چڑھ جاتے اور آپ کو اسی حالت پر رکھتے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن کی وجہ سے سجدے کو طویل کر دیتے اور بسا اوقات آپ رسول پاک کے ساتھ منبر پر چڑھ جاتے۔

حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ حضور پاک خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین کو لڑکھڑاتے دیکھا تو رسولِ پاک ان دونوں کے پاس چلے گئے اور ان کو گود میں لے لیا اور اپنے ساتھ منبر پر لے آئے اور فرمایا تم اللہ کی رحمت ہو اور تمہاری تعظیم کی جاتی ہے اور تم سے محبت کی جاتی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چند دنوں کے بعد نماز عصر پڑھائی پھر آپ اور حضرت علی شیر خدا چلتے چلتے باہر نکلے تو حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت حسن کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا تو امام حسن کو اپنی گردن پر اُٹھا لیا اور فرمانے لگے کہ مجھے قسم ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہیں۔ حضرت علی کے مشابہ نہیں ہیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت علی شیر خدا یہ سُن کر مسکرانے لگے۔

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت

حسن سینے سے سر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے اور حضرت حسین اس سے نچلے حصّے میں آپ سے مشابہ تھے۔

براء بن عازب نے روایت کی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت حسن بن علی آپ کے کندھے پر تھے آپ فرما رہے تھے اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے روایت بیان کی ہے کہ میں مدینہ منورہ کے ایک بازار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا جب آپ واپس ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ واپس آگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء کے مکان کے صحن میں تشریف لائے اور حضرت حسن کو بلایا مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے۔

راوی بیان کرتا ہے کہ پھر حضرت حسن آ گئے۔ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے خیال کیا کہ حسن بن علی کو آپ کی والدہ نے روکا ہے کہ آپ ان کے گلے میں لونگوں کا ہار ڈال رہے تھے جب وہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ آپ اور رسول پاک ایک دوسرے سے لپٹ گئے پھر آپ نے فرمایا میں اس سے محبت رکھتا ہوں اور جو اس سے محبت رکھے اس سے بھی محبت رکھتا ہوں۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے حضرت حسن اور حضرت حسین سے محبت کی اس نے

مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت اُم سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین اور ان کی ماں (سیدہ فاطمۃ الزہراء) اور باپ (حضرت علی شیر خدا) پر چادر ڈالی اور فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے ناپاکی کو دور کر دے اور انہیں اچھی طرح پاک کر دے۔

طبقات ابن سعد میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو جنتی نوجوانوں کے سردار کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے وہ حسن بن علی کو دیکھ لے۔ اور حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسن اور حسین نوجوانان بہشت کے سردار ہیں۔ اور ان کا باپ ان دونوں سے بہتر ہے۔

عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی اور اس میں طویل سجدہ کیا اور جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے اس بارے میں آپ سے بات کی تو فرمایا میرے اس بیٹے حسن نے مجھے سواری بنا لیا اور میں نے اس سے سبقت کرنا پسند نہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ اپنی مرضی سے اُترے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت فاطمۃ الزہراء کی طرف دیکھا اور فرمایا تم جس سے جنگ کرو گے میں اس سے جنگ

کروں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں اس سے صلح کروں گا۔ اور
مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا۔ فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی کہ فاطمہ میرے
جسم کا ٹکڑا ہے پس جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔
(المستدرک صد ۱۷۲ ج ۳، ذخائر عقبی صد ۱۸۰)
اس سے ثابت ہوا سیدہ فاطمۃ الزہراء کی رضا میں رسول پاک صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا ہے اور جس نے حضرت فاطمۃ الزہراء کو ناراض
کیا اس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کیا۔

سوال :۔

حدیث بالا مذکور سے ثابت ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی ناراضگی
میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہے اور رسول پاک کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق
رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ
سیّدہ فاطمۃ الزہراء حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آئیں آپ سے زمین
فدک اور خیبر سے حصے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے دینے
سے انکار کر دیا۔ سیّدہ فاطمۃ الزہراء اس معاملہ میں حضرت ابوبکر صدیق
پر ناراض ہوگئیں۔ فھجرتہ فلم تکلمہ حتیٰ توفیت۔
(خامس الخلفاء الراشدین صد ۵۲ و صد ۵۳ بحوالہ صحیح بخاری)
پس ان سے بات چیت چھوڑ دی۔ یہاں تک کہ اپنی وفات تک
ان سے بات نہ کی اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ
علیہا حضرت ابوبکر پر بوجہ نہ دینے وراثت کے ناراض ہوگئیں اور یہ
ناراضگی ہمیشہ رہی یہاں تک کہ آپ فوت ہوگئیں اور سیّدہ فاطمۃ الزہراء

کی ناراضگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی ہے۔

جواب:۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت سے یہی ظاہر ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء حضرت ابوبکر صدیق پر بوجہ نہ دینے وراثت کے ناراض ہوگئی تھیں مگر دوسری روایت جو حافظ بیہقی سے مروی ہے اس میں ہے کہ بعد میں سیّدہ فاطمۃ الزہراء حضرت ابوبکر صدیق پر راضی ہوگئی تھیں۔ چنانچہ حافظ بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ محدّث شعبی سے روایت کی۔

انه قال لما مرضت فاطمة اتاها ابوبكر الصديق فاستاذن عليها فقال علي يا فاطمة هذا ابوبكر الصديق يستاذن عليك فقالت اتحب ان آذن له قال نعم فاذنت له فدخل عليها يترضاها۔

شعبی نے کہا کہ جب فاطمۃ الزہراء بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیق آپ کے گھر آئے اور اجازت مانگی تو علی شیر خدا نے کہا اے فاطمہ یہ ابوبکر صدیق ہیں اور آنے کے لیے اجازت مانگ رہے ہیں پس حضرت فاطمۃ الزہراء نے فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں ان کو اجازت دے دوں۔ حضرت علی نے فرمایا ہاں سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراء نے اجازت دے دی۔ پس حضرت ابوبکر صدیق، سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی اجازت سے آئے۔ حافظ ابن کثیر نے کہا وھذا اسناد جید قوی کہ بیہقی کی روایت کی سند مضبوط اور قوی ہے اور حافظ بیہقی کی یہ روایت جو شعبی سے مروی ہے مثبت ہے کہ اس میں ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ بعد میں حضرت ابوبکر صدیق پر راضی ہوگئی تھیں اور جو حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت

ہے وہ نافی ہے کہ اس میں ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء، حضرت ابوبکر صدیق پر راضی نہ تھیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مثبت اور منفی کا تعارض ہو جائے تو مثبت کو ترجیح ہوتی ہے اور مثبت روایت ہی قابل عمل ہوتی ہے۔

چنانچہ علماء اصول نے تصریح کی ہے ومعلوم لدی العلماء ان قول المثبت مقدم علی النافی لان احتمال الثبوت حصل بغیر علم النافی۔

جب مثبت قول مقدم اور راجح ہوا تو بیہقی کی مروی روایت کو حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ کی روایت پر ترجیح ہوگی اور یہ بات ثابت ہوئی۔

انہا رضیت عن ابی بکر بعد ذالک وماتت وھی راضیۃ عنہ۔

کہ حضرت فاطمۃ الزہراء بعد میں حضرت ابوبکر صدیق سے راضی ہوگئیں چنانچہ حضرت فاطمۃ الزہراء کی جب وفات ہوئی تو آپ حضرت ابوبکر صدیق سے راضی تھیں۔

(خامس الخلفاء الراشدین ص۳۵ وسیرت ضیاء النبی)

غرضیکہ حضرت عائشہ صدیقہ والی روایت کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء حضرت ابوبکر صدیق پر راضی نہ تھیں۔ یہ منفی روایت ہے۔ اور بیہقی کی روایت کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء حضرت ابوبکر صدیق سے راضی ہوگئی تھیں مثبت ہے جب مثبت اور منفی روایت کا تعارض ہو جائے تو ترجیح مثبت روایت کو ہوتی ہے۔ لہٰذا ترجیح بیہقی کی مروی روایت کو ہوگی کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء

سلام اللہ علیہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر راضی تھیں۔ حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول پاک کے نزدیک بڑی شان ہے کہ جس پر سیّدہ فاطمۃ الزہراء راضی ہیں اس پر اللہ اور اس کا رسولِ پاک راضی ہے۔

حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایک فرشتہ جو اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا تھا اس نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام کرنے کے لیے حاضر ہو نیز مجھے یہ خوشخبری دے۔

بان فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ وان الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ۔

کہ تحقیق فاطمہ اہل جنت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں اور تحقیق حسن اور حسین جنت کے تمام جوانوں کے سردار ہیں۔

(مستدرک صہ ۱۶۴ ج ۳۔ ذخائر عقبیٰ صہ ۲۲۴)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین کے بارے میں فرمایا جس نے ان دونوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ چنانچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حسنین کریمین کے ساتھ بہت زیادہ محبت کرتے تھے ان کا اعزاز واکرام کرتے تھے۔ حضرت علی شیر خدا بھی امام حسن وامام حسین کا بہت اعزاز واحترام کرتے تھے۔

ایک روز حضرت علی شیر خدا نے حضرت حسن سے فرمایا اے میرے بیٹے کیا آپ تقریر نہیں کریں گے کہ میں آپ کی تقریر سنوں۔ حضرت

حسن نے کہا کہ میں آپ کو دیکھتے ہوئے تقریر کرنے سے شرم محسوس کرتا ہوں۔ پس حضرت علی چلے گئے اور وہاں جا بیٹھے جہاں حضرت حسن آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے پھر حضرت حسن نے لوگوں میں کھڑے ہوکر تقریر کی اور حضرت علی سُن رہے تھے۔ پس آپ نے بلیغ و فصیح تقریر کی اور جب آپ واپس آئے تو حضرت علی نے فرمایا بعض بعض کی اولاد ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور جب حضرت حسن اور حسین سوار ہوتے تو حضرت ابن عباس ان کی رکاب پکڑ لیتے اور جب امام حسن اور حسین طواف کرتے تو لوگ ان کے اردگرد جمع ہو جاتے قدم رکھنے کی جگہ باقی نہ رہتی اور راوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن بن علی جب فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں پڑھتے اور آپ کے مصلیٰ پر بیٹھ جاتے اور سورج کے بلند ہوتے تک ذکر الٰہی کرتے رہتے۔

شعبہ بن حجاج واسطی نے ابو اسحاق ہمدانی سے بحوالہ حارث اعور بیان کیا ہے کہ حضرت علی شیر خدا نے اپنے بیٹے حضرت حسن سے جوانمردانہ صفات کے متعلق دریافت کیا کہ اے میرے بیٹے۔

○

راستی کیا ہے امام حسن نے کہا اے میرے باپ بُری بات کو اچھی بات سے دُور کر دینے کو راستی کہتے ہیں۔

○

آپ نے پوچھا شرف کیا ہے؟ امام حسن نے کہا خاندان سے نیکی کرنا اور کوئی جرم کرے تو اس کا بوجھ اُٹھانا۔

○

آپ نے پوچھا جوانمردی کیا ہے؟ امام حسن نے کہا پاک دامن ہونا اور آدمی کا اپنی اصلاح کرنا۔

○

آپ نے پوچھا کمینگی کیا ہے؟ امام حسن نے کہا کہ معمولی بات پر سوچنا اور حقیر چیز کو روکے رکھنا۔

○

آپ نے پوچھا ملامت کیا ہے؟ امام حسن نے کہا انسان کا اپنے آپ سے بچنا اور اپنی دلہن (بیوی) کو قربان کرنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ سخاوت کیا ہے؟ امام حسن نے کہا کہ تنگی و آسائش میں خرچ کرنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ بخل کیا ہے؟ امام حسن نے کہا جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے اسے فضول سمجھنا اور جو خرچ کر چکا ہے اسے ضائع سمجھنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ اخوت کیا ہے؟ امام حسن نے کہا سختی اور آسائش میں وفاداری کرنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ بزدلی کیا ہے؟ امام حسن نے کہا کہ دوست پر جراءت کرنا اور دشمن سے پیچھے ہٹنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ غنیمت کیا ہے؟ امام حسن نے کہا تقویٰ میں رغبت کرنا اور دنیا سے بے رغبتی کرنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ حلم کیا ہے؟ امام حسن نے کہا غصّے کو پینا اور نفس پر قابو رکھنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ تونگری کیا ہے؟ امام حسن نے کہا کہ نفس کا اس چیز پر راضی ہونا جو اللہ تعالےٰ نے اسے دی ہو خواہ وہ تھوڑی ہو۔ تونگری میں صرف دل کا غنی ہونا ہے۔

○

آپ نے پوچھا۔ قوت کیا ہے؟ امام حسن نے کہا سخت جنگ کرنا اور مضبوط ترین آدمی سے جنگ کرنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ ذلت کیا ہے؟ امام حسن نے کہا سچائی کے وقت گھبرا جانا۔

○

آپ نے پوچھا۔ جرأت کیا ہے؟ امام حسن نے کہا کہ ہمسر لوگوں سے ملنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ کلفت کیا ہے؟ امام حسن نے کہا بے مقصد والی

بات کرنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ مجد اور بزرگی کیا ہے؟ امام حسن نے کہا تاوان ادا کرنا اور جرم کو معاف کرنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ عقل کیا ہے؟ امام حسن نے کہا ہر وہ چیز جس کی تجھ سے حفاظت مطلوب ہے اس سے دل کو محفوظ رکھنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ حماقت کیا ہے؟ امام حسن نے کہا اپنے بادشاہ سے دشمنی کرنا اور اس سے بلند آواز سے بات کرنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ ثنا کیا ہے؟ امام حسن نے کہا اچھائی کرنا اور برائی کو چھوڑنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ دانائی کیا ہے؟ امام حسن نے کہا طویل بردباری کرنا اور حکمرانوں کے ساتھ نرمی کرنا۔ لوگوں کی بدظنی سے بچنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ بے وقوفی کیا ہے؟ امام حسن نے کہا کمینوں کی پیروی کرنا اور گمراہوں کی مصاحبت کرنا۔

○

آپ نے پوچھا۔ محرومی کیا ہے؟ امام حسن نے کہا اپنے حصّے کو چھوڑ

دینا جبکہ اسے تجھ پر پیش کیا گیا ہو۔

راوی بیان کرتا ہے کہ پھر حضرت علی نے فرمایا اے میرے بیٹے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

ولا فقر اشد من الجهل ولا مال افضل من العقل ولا وحدة اوحش من العجب ولا مظاهرة اوثق من المشاورة۔

یعنی جہالت سے سخت تر فقر کوئی نہیں ہے اور عقل سے بہتر کوئی مال نہیں ہے اور تکبّر سے زیادہ وحشت ناک تنہائی کوئی نہیں ہے اور مشاورت سے بڑھ کر کوئی قابل مدد نہیں ہے اور تدبیر کی طرح کوئی عقل نہیں ہے۔ اور حُسن اخلاق کا سا کوئی حسب نہیں ہے اور رُکنے جیسا کوئی تقوٰی نہیں ہے اور تفکر جیسی کوئی عبادت نہیں ہے۔ اور حیا جیسا کوئی ایمان نہیں ہے۔ اور ایمان کی بلندی اور چوٹی صبر ہے۔ اور بات کی آفت جھوٹ ہے اور علم کی آفت نسیان ہے اور حلم کی آفت بداخلاقی ہے اور عبادت کی آفت سُستی ہے۔ اور شرافت کی آفت فخر کرنا ہے اور شجاعت کی آفت نافرمانی ہے اور سخاوت کی آفت احسان جتانا ہے اور خوبصورتی کی آفت تکبّر ہے۔ اور محبت کی آفت فخر ہے۔

پھر حضرت علی نے فرمایا اے میرے بیٹے! جس شخص کو تو ہمیشہ دیکھتا ہے اس کو حقیر نہ سمجھ۔ اگر تجھ سے بڑا ہے تو اسے اپنے باپ کی طرح سمجھ، اگر وہ تیرے جیسا ہے تو وہ تیرا بھائی ہے۔ اگر وہ تجھ سے چھوٹا ہے تو اسے اپنا بیٹا خیال کر۔

قاضی ابوالفرج نے کہا ہے کہ اس خبر (حدیث) میں حکمت اور فائدہ

ہے جس سے اس کا یاد کرنے والا اور اس کی رعایت کرنے والا اور اس پر عمل کرنے والا فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور اس پر عمل کر کے اپنے نفس کو مہذب بنا سکتا ہے اور اس کے علم سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸۔ حلیم آلِ بیت صد ۱۹)

اور جو کچھ امیرالمومنین نے بیان کیا ہے اور اس سے بڑھ کر آپ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے اس سے کسی دانشمند عالم کو یاد کرنے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اور خوش بخت وہ ہے جو اس کے سیکھنے سے ہدایت پائے اور اس پر عمل کرے اور اصمعی اور المدائنی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ نے امام حسن سے اسی قسم کی باتیں دریافت کیں تو آپ نے انہیں اس قسم کا جواب دیا اور طبرانی نے بیان کیا ہے کہ امام حسن کی انگوٹھی پر کندہ تھا۔

تو جس قدر تقوٰی اختیار کر سکتا ہے اسے نفس کے لیے آگے بھیج۔
اے جوان موت بلاشک دریب تیرے پاس آنے والی ہے تو خوش ہو گیا گویا تو قبرستان اور بوسیدگی میں اپنے دلی احباب کو نہیں دیکھتا۔

امام احمد نے فرمایا کہ امام حسن نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو بلایا اور فرمایا آج تم قوم کے چھوٹے بچے ہو اور کل تم بڑے ہو گے۔ پس تم علم سیکھو،

فمن لم يستطع منكم ان يرويه او يحفظه فليكتبه وليجعله فى بيته۔

جو تم میں سے اسکو روایت نہ کر سکے یا اس کو روایت نہ کر سکے یا اسکو یاد نہ کر سکے چاہیے کہ وہ اس علم کو لکھ

لے اور اس کو گھر میں محفوظ رکھے۔

(البدایہ والنہایہ صـ۲۹۲ ج ۸۔ حلیم آل بیت صـ۱۹۴)

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین شہید کربلا دونوں کے بے شمار فضائل ومناقب ذکر کیے ہیں اور امام حسن کو اپنی سیادت (سرداری) عطا فرمائی ہے۔

چنانچہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وصال میں حسن اور حسین دونوں کو لے کر حضور پاک کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دونوں آپ کے بیٹے ہیں ان کو کسی چیز کا وارث بنا دیں۔

فقال اما الحسن فله هيبتي وسؤددي واما حسين فله جرأتي وجودي۔

پس آپ نے فرمایا حسن (مجتبیٰ) کے لیے میری ہیبت (رعب) اور میری سرداری ہے اور حسین کے لیے میری جرأت (بہادری) اور میری سخاوت ہے۔ (تہذیب التہذیب صـ۲۹۹ ج ۲)

اس سے ثابت ہوا کہ امام حسن سیّد اور سردار تھے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سیادت اور سرداری امام حسن کو عطا فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے انه سيد۔ بے شک حسن سیّد ہے

امام حسن اور امام حسین کی جنت میں سیادت کے بارے میں صحابہ کرام

کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد مرتبہ سنا ہے کہ حسن اور حسین جنت میں جوانوں کے سردار ہیں۔

اس سیادت کے بارے میں درج ذیل صحابہ کرام نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے:۔

- عبداللہ بن عمر
- عبداللہ بن مسعود
- جابر بن عبداللہ
- عمر بن خطاب
- علی بن ابی طالب
- اسامہ بن زید
- قرہ بن ایاس
- مالک بن الحویرث
- براء بن عازب
- ابوہریرہ وغیرہم۔

(خامس الخلفاء الراشدین صہ ۶۸)

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی سیادت (سرداری) خبر متواتر سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وان ابنی ھذا سیدا۔ اور بے شک میرا بیٹا سید ہے۔

قال ابن عبد البر و تواترت الآثار الصحاح عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال فی الحسن بن علی

ان ابنی ھذا سید۔

ابن عبدالبر نے کہا کہ خبر متواتر صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن بن علی کے بارے میں کہا بے شک میرا یہ بیٹا (حسن)، سیّد ہے اور ابوبکرہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سُنا۔ آپ منبر پر تشریف فرما تھے اور حسن آپ کے ایک پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی امام حسن کی طرف دیکھتے تھے اور فرماتے تھے

ان ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ فیئتین من المسلمین فھذا الحدیث فیہ منقبۃ للحسن فقد اخبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بانہ سیّد۔

بے شک میرا یہ بیٹا سیّد ہے اور اللہ تعالےٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

اس حدیث میں امام حسن کی فضیلت ومنقبت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ حسن سیّد (سردار) ہے۔ اور تحفۃ الاحوذی میں ہے کہ سیّد کا معنےٰ سردار ہوتا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے کہا کہ اس کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۸)

حافظ ابن کثیر اس حدیث (ابوبکرہ ثقفی) کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے بیان کیا ہے کہ علی بن مدینی نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ہمارے نزدیک ابوبکرہ ثقفی کا اس حدیث کا سماع کرنا ثابت ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الفتن

ہیں علی بن مدینی سے روایت کیا ہے۔ اور فضائل حسن میں صدقہ بن فضل سے اس کو روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث سفیان بن عیینہ سے بھی مروی ہے اور اس حدیث کو دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن محمد یعنی ابن ابی شیبہ اور یحییٰ بن آدم نے بھی روایت کیا ہے اور یہ حدیث حسین بن علی الجعفی عن اسرائیل عن حسن بصری بھی مروی ہے اور اس کو احمد، ابوداؤد اور نسائی نے حماد بن زید سے عن علی جعفی عن اسرائیل عن حسن بصری بھی روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کو ابوداؤد۔ اور ترمذی نے بھی عن حسن صحیح قرار دیا ہے اور نسائی نے اسے عوف الاعرابی وغیرہ کے طریق سے بحوالہ حسن بصری مرسل روایت کیا ہے۔

امام احمد نے بیان کیا ہے کہ عبدالرزاق نے ہم سے بیان کیا کہ معمر نے ہمیں بتایا کہ مجھے حسن سے سننے والے نے بتایا وہ بحوالہ ابوبکرہ بیان کرتا تھا کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے باتیں کر رہے تھے اور حضرت حسن بن علی آپ کی گود میں تھے۔ آپ ایک دفعہ حضرت حسن کی طرف متوجہ ہوکر انہیں بوسہ دیتے تھے اور ایک دفعہ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوکر ان سے باتیں کرتے تھے جب امام حسن کی طرف متوجہ ہوتے تو فرماتے بلاشبہ میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے۔ اگر یہ زندہ رہا تو مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ معمر نے اس طرح روایت کیا ہے اور اس نے اس شخص کا نام نہیں لیا جس نے اس سے یہ حدیث بحوالہ حسن (بصری) بیان کی ہے۔

اور ایک جماعت نے اسے حسن (بصری) سے روایت کیا ہے جن

ہیں ابو موسیٰ، اسرائیل یونس بن عبید، منصور بن ذاذان، علی بن زید، ہشام بن حسان، اشعث بن سوار، مبارک بن فضالہ اور عمرو بن عبید شامل ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ معمر نے اسے بحوالہ عمرو بن عبید روایت کیا ہے لیکن اس کا نام بیان نہیں کیا۔ اور محمد بن اسحاق بن یسار نے اسے اس سے روایت کیا ہے اور اس کا نام بھی لیا ہے۔ اور احمد بن ہاشم نے اسے مبارک بن فضالہ سے بحوالہ ابوبکرہ روایت کیا ہے اور شیخ ابوالحجاج مزی نے اپنی کتاب اطراف میں بیان کیا ہے کہ بعض نے اسے حسن (بصری) سے بحوالہ اُم سلمہ روایت کیا ہے اور اس حدیث کو جابر بن عبداللہ انصاری کے طریق سے بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن بن علی سے فرمایا کہ بلاشبہ میرا یہ بیٹا سیّد ہے۔ اللہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ اور اسی طرح عبدالرحمٰن بن معمر نے اسے بحوالہ اعمش روایت کیا ہے اور سعید بن ابی سعید المدنی نے روایت کی ہے کہ ہم ابوہریرہ کے ساتھ تھے کہ اچانک حضرت حسن بن علی نے آکر ہمیں سلام کیا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے پیچھے انہیں مل کر کہا اے میرے آقا آپ پر سلام ہو نیز کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان کرتے سنا ہے کہ بلاشبہ یہ سردار ہے۔

حدیث جو پہلے گذر چکی ہے اس میں امام حسن کی سیادت اور رعب اور امام حسین کی سخاوت اور جراءت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی سیادت (سرداری) اور رعب حسن کو اپنی سخاوت اور جراءت حسین کو عطا فرمائی ہے۔ یہ سیادت اور رعب

اور سخاوت وجراءت حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفات لازمہ سے ہیں ان کے علاوہ اور بے شمار صفات حضور پاک کے صفات لازمہ (غیر منفکہ) سے ہیں۔ جتنے صفات اللہ تعالےٰ کے ہیں وہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں۔

چنانچہ علامہ شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں۔

اذا مرعلی حضرات الاسماء اللهية صار متخلصا بصفاتها فاذا مرّعلى الرحيم كان رحيمًا اوعلى الغفور كان غفورًا اوعلى الكريم كان كريمًا اوعلى الحليم كان حليمًا اوعلى الشكور كان شكورًا اوعلى الجواد كان جوّادًا اوكذا فما يرجع من ذالك الا وهو فى غاية الكمال۔

(الیواقیت والجواہر صہ۳۶، ج ۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج میں اسماء الہیہ کی بارگاہوں سے جب گذرے تو ان اسماء کی صفات کے ساتھ متصف ہو گئے جب الرحیم پر گذرے تو رحیم بن گئے اور الغفور پر گذرے تو غفور بن گئے اور کریم پر گذرے تو کریم بن گئے۔ اور حلیم پر گذرے تو حلیم بن گئے اور شکور پر گذرے تو شکور بن گئے۔ اور جواد پر گذرے تو جواد بن گئے اور اسی طرح دیگر اسماء الہیہ کی بارگاہوں سے گذرتے گئے اور وہ اسماء جن صفات سے متعلق ہیں ان صفات الہیہ سے متصف ہوتے گئے۔ جب معراج سے واپس تشریف لائے تو انتہائے کمال کے حال میں تھے اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے جو اسماء صفات ہیں وہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے اور رسول

پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صفات لازمہ میں سیادت، رعب، سخاوت، جرأت) اپنے نواسوں حسن اور حسین کو عطا فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے یہ طاقت عطا فرمائی ہے جس کو جو چاہیں جتنا چاہیں عطا فرمائیں۔

چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

وما اتاکم الرسول فخذ وہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔

(سورۃ حشر ع۵۹ پ ع۲۸)

اور جو تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ آیت کریمہ میں کلمہ مآ عموم کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ چاہیں عطا فرما سکتے ہیں اور جو کچھ تم کو عطا فرمائیں وہ لے لو۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر چیز جو چاہیں جس کو چاہیں جتنا چاہیں عطا فرما دیں۔

اور قرآن پاک میں یہ بھی فرمایا۔

اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ۔

(بقرہ ع۲ پ ع۱۰)

اللہ اور رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے جس کو چاہے غنی و مالدار کر دے۔

ان دونوں آیات میں اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اختیارات کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول پاک کو عطا فرمائے ہیں کہ رسول پاک اپنے فضل سے جس کو چاہیں عطا فرما کر

غنی فرما دیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں بیٹوں امام حسن اور امام حسین کو سیّدہ فاطمۃ الزہراء کے کہنے پر سیادت، رعب، سخاوت، جراءت بطور وراثت کمالات عطا فرمائے۔ ان کمالات و صفات لازمہ کے علاوہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹوں حسن اور حسین کو اللہ کی عطا سے مزید کمالات و فضائل سے نوازا جو ان کا ہی حصہ تھا۔

چونکہ امام حسن مجتبیٰ اپنے کمالات اور علمی فضائل میں انتہاء درجہ پر فائز تھے اس لیے حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا گاہ بگاہ آپ سے علمی سوالات دریافت کرتے رہتے۔

پہلے البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے امام حسن سے انسان کے عمدہ صفات کے بارے میں پوچھا تو امام حسن نے تمام کے تسلی بخش جواب دیے۔ اسی طرح دیگر مواقع پر بھی حضرت امیرالمومنین علی المرتضیٰ امام حسن سے سوالات کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن قیم المتوفی ۷۵۱ھ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی المرتضیٰ نے ایک فیصلہ کے بارے میں امام حسن سے پوچھا تو امام حسن نے جو فیصلہ دیا اس پر امیرالمؤمنین علی مرتضیٰ نے عمل فرمایا۔

چنانچہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کو گرفتار کر کے حضرت علی شیر خدا کے سامنے لایا گیا۔ یہ گرفتاری ایک ویران غیر آباد جگہ سے ہوئی۔ گرفتاری کے وقت اس شخص کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی۔ یہ کھڑا ہوا تھا اور ایک لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی۔ اس شخص نے مولیٰ علی کے سامنے اقبال جرم کر لیا اور آپ نے قصاص کا حکم دے دیا۔ اتنے

میں ایک شخص دوڑا دوڑا آیا اور اس نے امیرالمؤمنین علی مرتضیٰ کے سامنے بھی اقبالِ جرم کر لیا۔ حضرت علی نے پہلے ملزم سے دریافت کیا کہ تو نے کیوں اقبالِ جرم کیا تھا۔ اس نے کہا کہ جن حالات میں میری گرفتاری کی گئی تھی میں نے سمجھا کہ ان حالات کی موجودگی میں میرا انکار کچھ بھی مفید نہیں ہوگا۔ امیرالمؤمنین نے پوچھا واقعہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں قصاب ہوں۔ میں نے جائے وقوع کے قریب ہی بکرے کو ذبح کیا تھا۔ گوشت کاٹ رہا تھا کہ مجھے قضاء حاجت ہوئی۔ میں جائے وقوع کے قریب قضائے حاجت سے فارغ ہوا تو میری نظر اس لاش پر پڑ گئی میں اسے دیکھنے کے لیے اس کے قریب پہنچا دیکھ رہا تھا کہ پولیس نے گرفتار کر لیا۔ سب لوگ کہنے لگے کہ یہ ہی شخص قاتل ہے۔ مجھے بھی یقین ہوگیا کہ ان لوگوں کے بیانات کے سامنے میرے بیان کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا اس لیے میں نے اقرار کر لینا ہی بہتر سمجھا۔

اب دوسرے شخص سے دریافت کیا اس نے کہا کہ میں ایک اعرابی ہوں مفلس ہوں مقتول کو میں نے طمع مال سے قتل کیا ہے۔ اتنے میں مجھے کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ میں ایک گوشہ میں جا چھپا اتنے میں پولیس آگئی۔ اس نے پہلے ملزم کو پکڑ لیا اب جبکہ اس کے خلاف فیصلہ سنایا گیا تو میرے دل نے مجھے آمادہ کیا کہ میں خود اپنے جرم کا اقبال کر لوں۔

یہ تمام واقعہ سُن کر امیرالمؤمنین حضرت علی نے امام حسن سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ امام حسن نے کہا امیرالمؤمنین اگر اس شخص نے ایک کو ہلاک کیا ہے تو اس نے ایک شخص کی جان بھی بچائی ہے

اور اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے۔

ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعًا۔۱۲

اور جس نے زندہ رکھا اس جان کو اس نے گویا زندہ رکھا تمام لوگوں کو۔
امیر المؤمنین علی شیر خدا نے مشورہ کو قبول کیا۔ دوسرے کو بھی چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے دلایا۔

(الطرق الحکمیہ صہ۵۶)

امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ کے علاوہ صحابہ کرام اور تابعین بھی امام حسن مجتبیٰ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری المتوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں کہ جب قدریوں کا زور ہوا اور معتزلہ کی تعلیم جہاں میں عام ہوگئی تو حسن بصری نے امام حسن بن علی کرم اللہ وجہہ کو خط لکھا اور کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند اور نور چشم آپ پر اللہ کی سلامتی، رحمت اور برکت ہو۔

اما بعد واضح ہو کہ آپ بنو ہاشم ہیں۔ آپ کی مثال بحر ذخار میں کشتیوں کی ہے اور ظلمتوں میں روشنی اور ہدایت کے نشانات کی آپ وہ پیشوا ہیں جو آپ کی پیروی کرے وہ نجات پائے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے ایمان دار پیروکاروں نے ان کی طرف رجوع کیا اور کشتی کے ذریعہ نجات پائی۔

کیا فرماتے ہیں آپ تقدیر کے مشکل مسئلہ پر اور اس بحث پر کہ آدمی مجبور ہے یا اسے اپنے افعال پر اختیار ہے۔ آپ فرزند رسول اللہ ہیں اللہ نے آپ کو علم دیا ہے وہ آپ کا محافظ ہے اور آپ خلقت کے محافظ ہیں اور گواہ والسلام حسن بصری نے اس خط میں امام حسن علیہ السلام

سے دریافت کیا ہے کہ تقدیر کا مسئلہ جو نہایت پیچیدہ اور مشکل ہے۔ اس بارے میں حضور کا کیا ارشاد ہے کیا بندہ اپنے افعال میں مختار محض ہے یا مجبور محض جب حسن بصری کا یہ خط امام حسن علیہ السلام کو ملا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ آپ کا خط مجھے پہنچا جو لوگ قدر خیر و شر من اللہ پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور جو اپنے گناہوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں فاجر ہیں۔ قدریہ جماعت کا مذہب انکار تقدیر ہے اور جبریہ جماعت گناہوں کو حق تعالےٰ کی طرف منسوب کرتی ہے۔ بندہ خدائے عزوجل کی جانب سے ملی ہوئی استطاعت تک اپنے افعال پر مختار ہے اور ہمارا مذہب قدر و جبر کے بین بین ہے۔

(کشف المحجوب صہ ۱۴۴)

غرضیکہ امام حسن مجتبیٰ کے کمالات و فضائل براہ راست نبوت و رسالت کا فیضان تھا لہٰذا آپ کے کمالات و فضائل کی کوئی انتہا نہ تھی۔

باب دوم

امام حسن مجتبیٰ کی خلافتِ راشدہ

خلافت وخلیفہ کا لغوی اور اصطلاحی معنے[1]

خلف یخلف، باب نصر، خلفہ خلافۃً۔ جانشین ہونا۔

خلفہ ربہ فی قومہ۔ جانشین بنانا۔

خَلِفَ خَلَفًا، باب سمع۔ بائیں ہتھا ہونا، بھینگا ہونا، بے وقوف ہونا۔

اَخْلَفَ، باب افعال، اِخْلَافًا۔ خراب ہونا۔

خَلَّفَ، باب تفعیل۔ پیچھے چھوڑنا

خَالَفَ مُخالفۃً، باب مفاعلہ۔ موافقت نہ کرنا۔

تَخَلَّفَ، باب تفعّل۔ پیچھے رہنا۔

تخالف، باب تفاعل۔ اختلاف کرنا۔

اِخْتَلَفَ، باب افتعال۔ جانشین ہونا، پیچھے سے پکڑنا۔

اِستَخلفَ ، باب استفعال ۔ اپنا جانشین بنانا۔
اَلخَلُف ، مصدر ۔ ایک گروہ جو ایک گروہ کے بعد ہو۔
اَلخُلُف ، وعدہ پورا نہ کرنا۔
خلاف مفروض ۔ الخِلف مختلف ۔ جمع اخلاف و خلفۃٌ ۔ الخلف ولد صالح ۔
الخَلِیف ۔ پہاڑی راستہ ۔
الخلافۃ امارت ۔ قائم مقامی ، امامت ۔
الخلیفہ ۔ جانشین ، قائم مقام ۔ بڑا بادشاہ کہ اس سے اوپر کوئی بڑا بادشاہ نہ ہو۔

الخلیفہ مذکر ہے ۔ کہا جاتا ہے ھذا خلیفۃ آخر اور کبھی لفظ کی رعایت سے مونث بھی استعمال ہوتا ہے ۔ کہا جاتا ہے خلیفۃ اخریٰ ۔ جمع خلفاء وخلائف ہے پہلے کے لحاظ سے عدد مذکر لاتے ہیں اور کہتے ہیں ثلاثۃ خلفاء اور دوسرے کے لحاظ سے مذکر و مؤنث دونوں لانا جائز ہے تو کہو گے ثلاثۃ او ثلاث خلائف اور خلیفہ خَلْفٌ سے بنا ہے جس کے معنٰے ہیں پیچھے ہے ۔ خلیفہ بروزن فعیل صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کے معنٰے ہیں پیچھے آنے والا ۔ یا نائب جو کسی کے پیچھے یا غیر موجودگی میں اس کا کام کرے ۔

خلیفہ تین قسم پر ہے :۔

(۱) پس پردہ نیابت کرنے والا ۔ اس میں جس کی نیابت ہو گی وہ محجوب ہوتا ہے ۔ جیسے کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے خلیفہ ہیں ۔ اللہ تعالےٰ محجوب ہے ۔

(۲) سلطان کے پس پشت کام چلانے والا جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام۔
(۳) سلطان کی وفات کے بعد اس کا کام چلانے والا جیسے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین ہیں۔ غرضیکہ خلافت ایک انتخابی منصب ہے جسے مسلمان باہمی مشورہ کر کے قائم کریں اور خلیفہ وہ ہے جو سلطان کے بعد اس کے تمام امور سلطنت سرانجام دے۔

خلافت کا مفہوم

"خلافت و ملوکیت" میں مسئلہ خلافت کی بحث میں ہے کہ انسانی حکومت کی صحیح صورت قرآن پاک کی رو سے صرف یہ ہے کہ ریاست میں خدا اور رسول کی قانونی بالادستی تسلیم کر کے اس کے حق میں حاکمیت سے دست بردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت خلافت (نیابت) کی حیثیت کو قبول کرے اور یہ خلافت دراصل زمین میں انسان کو جو قدرتیں بھی حاصل ہیں خدا تعالےٰ کی عطا اور بخشش سے حاصل ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے خود انسان کو اس حیثیت میں رکھا ہے کہ وہ اس کی بخشی ہوئی طاقتوں کو اس کے دیے ہوئے اختیار سے اس کی زمین میں استعمال کرے اس لیے انسان یہاں خود مختار مالک نہیں ہے بلکہ اصل مالک کا خلیفہ و نائب ہے۔

خلافتِ راشدہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی براہِ راست تعلیم و تربیت اور

عملی رہنمائی سے جو معاشرہ معرض وجود میں آیا تھا اس کا ہر فرد یہ جانتا تھا کہ اسلام کے احکام اور اس کی روح کے مطابق کس قسم کا نظام حکومت بننا چاہیے۔ اگرچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جانشینی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا لیکن مسلمانوں نے خود جان لیا کہ اسلام ایک شوروی خلافت کا تقاضا کرتا ہے اس لیے نہ وہاں کسی خاندانی بادشاہی کی بنیاد ڈالی گئی اور نہ کوئی شخص طاقت استعمال کر کے برسر اقتدار آیا نہ کسی نے خلافت حاصل کرنے کے لیے کوئی دوڑ دھوپ یا برائے نام بھی اس کے لیے کوشش کی بلکہ یکے بعد دیگرے چار اصحاب (بلکہ پانچ اصحاب) کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے خلیفہ بناتے رہے۔ اس خلافت کو اُمت نے خلافت راشدہ (راست رو خلافت) قرار دیا ہے۔ خلافت راشدہ نبوت کی مکمل نیابت تھی۔ اس خلافت میں وہ تمام فرائض سرانجام دیے گئے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں دیا کرتے تھے اور اس کی یہ ذمہ داری بھی تھی کہ دار اسلام میں دین حق کے پورے نظام کو اس کی اصل شکل کے ساتھ چلائے اور دنیا میں مسلمانوں کی پوری اجتماعی طاقت اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے پر لگا دے۔ (خلافت و ملوکیت ص۳۲، ص۸۲)

ملوکیت و بادشاہت

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشنگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت تیس۳۰ سال ہوگی۔ پھر بادشاہی ہوگی اور یہ مدت ربیع الاوّل ۴۱ھ میں ختم ہوگئی۔ جبکہ امام حسن علیہ السلام حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔ اس کے بعد خلافت علیٰ

منہاج نبوت یعنی خلافت راشدہ ختم ہوگئی اور بادشاہت شروع ہوگئی۔

خلافت اور ملوکیت میں فرق

خلافت کے متعلق خلفاء راشدین اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متفق علیہ نظریہ تھا کہ یہ ایک انتخابی منصب ہے جسے مسلمانوں کے باہمی مشورے سے قائم ہونا چاہیے۔ خلافت کے بارے میں ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔ ان الامارۃ ما اؤتمر فیھا وان الملک ما غلب علیہ السیف۔

کہ امارت (خلافت) وہ ہے جسے قائم کرنے کے لیے مشورہ کیا گیا ہو اور بادشاہی وہ ہے جس پر تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا گیا ہو۔

(طبقات ابن سعد صد ۱۱۳، ج ۴)

اور خلافت راشدہ میں درج ذیل امور ہوتے ہیں۔

○

خلافت راشدہ میں یہ قاعدہ تھا کہ کوئی شخص خود خلافت حاصل کرنے کے لیے نہ اٹھے اور اپنی سعی و تدبیر سے برسراقتدار نہ آئے بلکہ لوگ جس کو امت کی سربراہی کے لیے موزوں سمجھیں اپنے مشورے سے اقتدار اس کے سپرد کر دیں۔ خلفاء راشدین میں سے ہر ایک اسی قاعدہ کے مطابق برسر اقتدار آیا تھا۔

○

خلافت راشدہ میں مسلمانوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کی مکمل آزادی تھی۔ اسلام نے اسے مسلمانوں پر فرض قرار دیا کہ وہ صحیح

اسلامی راستے پر چلیں اور یہ اس پر منحصر تھا کہ قوم کا ضمیر زندہ اور اس کے افراد کی زبانیں آزاد ہوں۔ ہر غلط کام پر وہ بڑے سے بڑے آدمی کو ٹوک سکیں اور حق برملا کہہ سکیں۔ خلافت راشدہ میں لوگوں کی یہ آزادی پوری طرح محفوظ تھی۔

○

خلافت راشدہ میں حکومت مسلمانوں کے باہمی مشورے سے چلائی جاتی تھی اور مشورہ ان لوگوں سے لیا جاتا تھا جن کے علم وتقویٰ، دیانت اور اصابت رائے پر اُمت کو اعتماد تھا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں قوم کے بہترین لوگ ان کے مشیر تھے جو دین کا علم رکھنے والے اور اپنے علم وضمیر کے مطابق پوری آزادی کے ساتھ بے لاگ رائے دینے والے ہوتے تھے۔ پوری قوم کو ان پر اعتماد تھا کہ وہ حکومت کو کبھی غلط راستے پر نہ جانے دیں گے۔ یہی لوگ اُمت کے اہل الحل والعقد تسلیم کیے جاتے تھے۔

○

خلافت راشدہ میں قاضیوں کا تقرر اگرچہ خلفاء ہی کرتے تھے مگر جب کوئی شخص قاضی مقرر ہو جاتا تو اس پر خدا کے خوف اور اس کے اپنے علم وضمیر کے سوا کسی کا دباؤ نہ ہوتا تھا۔ کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی عدالت کے کام میں دخل دینے کی جرأت نہ کرسکتا تھا۔ حتیٰ کہ قاضی خود خلیفہ کے خلاف فیصلے دے سکتے تھے۔ اور دیتے تھے خلفاء راشدین کے زمانے میں قاضیوں کے عزل ونصب کا اختیار خلفاء کو ہی تھا۔ انتظامیہ کا عدلیہ میں کوئی دخل نہیں تھا۔

○

خلفاء راشدین کے زمانے میں خلفاء راشدین عوام کے درمیان رہتے جہاں ہر شخص ان سے آزادی کے ساتھ مل سکتا تھا وہ بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ ہر شخص ان کا دامن پکڑ سکتا تھا۔ وہ پانچوں وقت عوام کے ساتھ انہی کی صفوں میں نمازیں پڑھتے تھے اور جمعہ کے خطبوں میں ذکر اللہ اور تعلیم دین کے ساتھ ساتھ اپنی حکومت کی پالیسی سے بھی عوام کو آگاہ کرتے تھے اور اپنی ذات اور اپنی حکومت کے خلاف عوام کے ہر اعتراض کی جواب دہی بھی کرتے تھے۔

○

خلافت راشدہ میں بیت المال (خزانہ) کا اسلامی تصور یہ تھا کہ وہ خلیفہ اور اس کی حکومت کے پاس خدا اور مخلوق کی امانت ہے جس میں کسی کو من مانے طریقے پر تصرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ خلیفہ نہ اس کے اندر قانون کے خلاف کوئی چیز داخل کر سکتا ہے نہ قانون کے خلاف اس میں سے کچھ خرچ کر سکتا ہے وہ ایک ایک پائی کی آمد اور خرچ کے لیے جواب دہ ہے اور اپنی ذات کے لیے وہ صرف تنخواہ کا حق دار ہے۔ جتنی ایک اوسط درجے کی زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہو۔

نوٹ :۔

خلافت راشدہ میں چونکہ خلیفہ برحق خلافت کے صحیح نظام کو چلا رہا ہوتا ہے وہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے تابع ہوتا ہے۔ اس خلیفہ کے حکم سے جو روگردانی کرتا ہے اور خود مختار نظام حکومت چلاتا ہے یہ شخص باغی ہے اور اس کا یہ فعل بغاوت ہے۔

کسی شخص یا کسی طبقہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خلیفہ راشدہ سے اختیارات خلافت سلب کر کے خود خلیفہ بنے۔

بادشاہت اور ملوکیت میں درج ذیل امور ہوتے ہیں

○

بادشاہت اور ملوکیت میں بادشاہ خود بادشاہت حاصل کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ حضرت معاویہ بادشاہ تھے۔ آپ مسلمانوں کے بادشاہ بنانے سے بادشاہ نہیں بنے بلکہ انہوں نے زور سے بادشاہت حاصل کی جب وہ بادشاہ بن گئے تو لوگوں کے لیے بیعت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا اس وقت اگر ان سے بیعت نہ کی جاتی تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوتا کہ وہ اپنے حاصل کردہ منصب سے ہٹ جاتے بلکہ اس کے معنے خون ریزی و بدنظمی کے تھے جسے امن اور نظم پر ترجیح نہیں دی جا سکتی اسی لیے امام حسن کی دست برداری ربیع الاوّل ۴۱ھ کے بعد صحابہ و تابعین اور دیگر امت نے ان کی بیعت کر لی اور اس کو عام الجماعت اسی بنا پر قرار دیا کہ کم از کم باہمی خانہ جنگی ختم ہوئی حضرت معاویہ نے اپنے زمانہ بادشاہت کے آغاز میں مدینہ منورہ میں تقریر کرتے ہوئے خود فرمایا تھا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد اللہ کی قسم میں تمہاری حکومت کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ تم میرے برسر اقتدار آنے سے خوش نہیں ہو اور

اسے پسند نہیں کرتے۔ اس معاملہ میں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے میں خوب جانتا ہوں مگر میں نے اپنی اس تلوار کے زور سے تم کو مغلوب کر کے اسے لیا ہے۔

وان لم تجدونی اقوم بحقکم کلہ فارضوا منی ببعضہ

اب اگر یہ تم یہ دیکھو کہ میں تمہارا حق پورا ادا نہیں کر رہا ہوں تو تھوڑے پر مجھ سے راضی رہو۔ (خلافت و ملوکیت صہ ۱۵۹)

(بحوالہ البدایہ والنہایہ صہ ۱۳۲، ج ۸)

○

ملوکیت کے دور میں امراء قیصر و کسریٰ کی طرح شاہانہ زندگی گذارتے اور اس طریقے کو چھوڑ دیتے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین زندگی بسر کرتے تھے۔ شاہی محلات میں رہتے اور ان کے محلوں کی حفاظت حاجب (چوکیدار) کرتے اور دربان ان امراء اور عوام کے درمیان حائل ہوتے رعایا اور عوام کا ان بادشاہوں تک براہ راست پہنچنا مشکل ہوتا۔

○

ملوکیت اور بادشاہت میں بیت المال (خزانہ) بادشاہ اور شاہی خاندانوں کی ملکیت سمجھا جاتا، اور رعایا اور عوام بادشاہ کی محض باجگزار ہوتی اور کسی کو حکومت سے پوچھنے کا حق نہیں ہوتا تھا۔ اس دور میں بادشاہوں اور شہزادوں کی زندگی جس شان سے بسر ہوتی تھی وہ بیت المال (خزانہ) میں بے جا تصرف کے بغیر کسی طرح ممکن نہ تھی۔

❖

○

ملوکیت میں مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی جاتی تھی کسی کو حق کہنے کی اجازت نہیں تھی۔ ضمیروں پر قفل چڑھائے جاتے اور زبانیں بند کی جاتیں۔ زبان اگر کھولنی ہو تو حکومت کی تعریف کے لیے کھولو ورنہ چپ رہو۔ اگر تم ضرور حق کہنا چاہتے ہو باز نہیں رہ سکتے تو قید اور قتل اور کوڑوں کی مار کے لیے تیار ہو جاؤ۔ چنانچہ دور ملوکیت میں جو لوگ حق بولنے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بد ترین سزائیں دی گئیں تاکہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے۔

○

ملوکیت میں عدلیہ کی آزادی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ خلافت راشدہ میں قاضیوں کا تقرر اگرچہ خلفاء ہی کرتے تھے مگر جب کوئی شخص قاضی مقرر ہو جاتا تھا تو اس پر خدا کے خوف اور اس کے اپنے علم وضمیر کے سوا کسی کا دباؤ نہ رہتا تھا وہ آزادانہ طور پر شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلے کرتا تھا مگر ملوکیت اور بادشاہت میں وہ انصاف کرنے کے لیے آزاد نہ رہتا تھا حتیٰ کہ شہزادوں، گورنروں، قائدین اور شاہی محلات کے متوسلین تک کے خلاف مقدمات میں عدل کرنا مشکل تھا۔ بعض دفعہ عدلیہ پر انتظامیہ کی دست درازی اتنی بڑھی کہ گورنروں کو قاضیوں کے عزل ونصب کا اختیار دیا گیا حالانکہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں یہ اختیارات خلیفہ کے سوا کسی کو حاصل نہ تھے۔

○

ملوکیت میں شوروی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ہے حالانکہ اسلامی

ریاست میں حکومت مشورہ سے چلائی جاتی ہے اور مشورہ ان لوگوں سے لیا جاتا ہے جن کا علم وتقویٰ، دیانت، اصابت رائے پر اُمت کو اعتماد ہو مگر جب ملوکیت اور بادشاہت ہوتی ہے تو بادشاہوں کے مشیر حق شناس اور حق گو اہل علم اور اصابت رائے والے نہیں ہوتے بلکہ بادشاہوں کے مشیر گورنر، قائدین، شاہی خاندان کے امراء اور درباری لوگ ہوتے ہیں۔

○

ملوکیت کے دور میں بادشاہ اپنے مفاد اپنی سیاسی اغراض خصوصًا اپنی حکومت کے قیام وبقا کے معاملہ میں شریعت کی عائد کی ہوئی کسی پابندی کو توڑ ڈالنے میں تامل نہیں کرتا۔ اگرچہ اس کے عہد میں بھی مملکت کا قانون اسلامی قانون ہی ہو۔ کتاب اللہ، وسنت رسول اللہ کی آئینی حیثیت کا بادشاہوں میں سے کبھی کسی نے انکار نہیں کیا اور ان کی عدالتیں اسی قانون پر فیصلے کرتی تھیں لیکن ان بادشاہوں کی سیاست دین کے تابع نہ تھی۔

○

ملوکیت میں انتخابی صورت نہیں ہوتی یعنی مسلمانوں کے باہمی مشورے اور ان کی آزادانہ رضامندی سے حکومت قائم نہیں ہوتی بلکہ موروثی یا طاقت سے برسراقتدار آنے سے ہوتی ہے۔ صحابہ کرام کی رائے میں موروثی یا طاقت سے برسراقتدار آنے والی حکومت خلافت نہیں ہوتی بلکہ بادشاہی ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ان الامارۃ ما اؤتمر فیھا وان الملک ما غلب علیہ بالسیف امارت

یعنی خلافت وہ ہے جسے قائم کرنے میں مشورہ کیا گیا ہو اور بادشاہی وہ ہے جس پر تلوار کے زور سے غلبہ حاصل کیا گیا ہو۔

(خلافت وملوکیت صہ ۸۲۔ بحوالہ طبقات ابن سعد صہ ۱۱۳ ج ۴)

غرضیکہ خلافت راشدہ شوروی حکومت ہوتی ہے یعنی مسلمانوں کے مشورے سے یہ حکومت قائم ہوتی ہے اور مسلمانوں کے اتفاق سے اس حکومت کے چلانے کے لیے خلیفہ مقرر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے اتفاق سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پھر علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پھر امام حسن مجتبیٰ ہوئے۔ امام حسن مجتبیٰ خلفاء راشدین میں سے پانچویں خلیفہ ہیں۔ آپ کی خلافت نص سے ثابت ہے جس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

①

علامہ ابن حجر ہیثمی لکھتے ہیں **ھو آخر الخلفاء الراشدین بنص جدہ**۔ کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے آخری خلیفہ تھے۔ آپ کی خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص سے ثابت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی خلافت کے بارے میں پہلے پیشنگوئی ان الفاظ **الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ** کے ساتھ فرما دی تھی آپ کی یہ چھ ماہ خلافت تیس سال کی مدت کو مکمل کرنے والی تھی **فکانت خلافتہٗ منصوصًا علیہا**۔ پس آپ کی خلافت پر نص وارد ہے۔ اور اس پر اجماع واتفاق قائم ہوا جس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔

۲

ان اھل السنۃ والجماعۃ یعتقدون ان خلافۃ الحسن بن علی کانت خلافۃ حقۃ وانھا جزء مکمل لخلافۃ النبوۃ التی اخبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مدتھا ستکون ثلاثین سنۃ۔

۳

اور علامہ مناوی نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وابنی ھذا سید اور میرا بیٹا یہ سیّد (سردار) ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کے ساتھ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ قال وکان ذالک فلما بویع لہ بعد ابیہ وصار ھو الامام الحق۔ کہا یہ اس وقت ہوا جبکہ اپنے باپ علی (کرم اللہ وجہہ) کے بعد ان کی بیعت کی گئی یہ امام حق ہوئے ان کی مدت خلافت چھ ماہ تھی جس کے ساتھ تیس سال کی مدت خلافت کی تکمیل ہوئی اور تیس سال کے بعد بادشاہت ہوئی۔

۴

شارح طحاویہ نے لکھا ہے کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے اور آپ کی مدت خلافت چھ ماہ تھی۔

۵

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے آپ کے خلفاء راشدین سے ہونے پر دلیل وہ حدیث ہے جس کو حضرت سفینہ نے روایت کیا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم تکون ملکا وانما کملت الثلاثون بخلافۃ الحسن بن علی کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہوگی اور تیس سال کی تکمیل امام حسن کی خلافت کے ساتھ ہوتی ہے۔

⑥

قاضی عیاض نے کہا ہے لم یکن فی ثلاثین سنۃ الا الخلفاء الراشدین الاربعہ والاشھر اللتی بویع فیھا للحسن بن علی کہ تیس سال خلافت ہیں، ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور امام حسن بن علی داخل ہیں۔

⑦

ابوبکر بن العربی نے احکام القرآن میں اس حدیث الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ کے تحت لکھا ہے کہ یہ تیس سال خلافت کے حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ اور امام حسن کی خلافت کو شامل ہیں۔

(خامس الخلفاء الراشدین صہ۱۸۲)

خلافت راشدہ جو منہاج نبوت کے طریقہ پر ہے اس کی انتہاء امام حسن بن علی بن ابی طالب پر ہوئی ہے جبکہ آپ حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا کہ خلافت نبوۃ تیس سال ہے۔ اس کے بعد بادشاہت ہے۔ وانما کملت الثلاثون بخلافۃ الحسن فانہ نزل عن الخلافۃ لمعاویۃ۔ اور یہ تیس سال امام حسن

بن علی کی خلافت کے ساتھ مکمل ہوتے ہیں جبکہ آپ حضرت معاویہ کے لیے خلافت سے دستبردار ہوئے اور یہ دستبرداری ۴۱ھ ربیع الاول میں ہوئی اور تیس سال کی کامل مدت رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پاک سے ہے کیونکہ آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ ہے۔

(سیرت امیر المومنین خامس خلفاء الراشدین صد۳۶۳)

⑧

محقق شیخ راضی آل یاسین لکھتے ہیں۔ وصرح ابن کثیر بنفی الخلافة عن معاویة استنادا الی الحدیث قال وقد تقدم ان الخلافة بعده علیه السلام ثلاثون سنة ثم تکون ملکا وقد انقضت الثلاثون بخلافة الحسن بن علی فایام معاویة اول الملوک۔

اور ابن کثیر نے تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہ خلیفہ نہیں تھے اس کی اصل حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہوگی اور یہ تیس سال حضرت امام حسن کی خلافت کی مدت کے ساتھ پورے ہوئے ہیں اور حضرت معاویہ کے ایام حکومت بادشاہت سے ہیں۔ حضرت معاویہ اول بادشاہ ہیں۔

⑨

وقال الدمیری المتوفی ۸۰۸ھ بعد ذکرہ مدة خلافة الحسن وهی تکملة ما ذکرہ رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من مدة الخلافة ثم تکون ملکا عضوضا۔

(صلح الحسن صد۷۰)

اور علامہ دمیری المتوفی ۸۰۸ھ نے امام حسن بن علی کی مدت خلافت ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ امام حسن کی مدت خلافت نے پورا کیا ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہو گی پھر ظلم وستم والی بادشاہت ہو گی۔

غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی تیس سال پورے اس وقت ہوتے ہیں جبکہ امام حسن مجتبیٰ کی خلافت کی مدت کو اس میں شامل کیا جائے جب تیس سال مکمل حضرت امام حسن کی مدت خلافت کے ساتھ ہوتے ہیں تو یہ تیس سال خلافت راشدہ کی مدت ہے۔ تو ثابت ہوا کہ امام حسن پانچویں خلیفہ راشد ہیں اور آپ خلفاء راشدین میں سے تھے۔

(۱۰)

نیز شیخ راضی آل یاسین لکھتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ واول الملوک معاویۃ کہ پہلے بادشاہ حضرت معاویہ تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت معاویہ خلیفہ نہیں تھے۔ (صلح حسن صد ۲۶۸)

(۱۱)

شیخ کامل سلیمان لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام حدیث کے مطابق خلیفہ تھے۔ چنانچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ومن بعدھا یکون ملک عضوض کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی اس کے بعد ظلم وستم والی بادشاہت ہوگی۔ وان معاویۃ اول ملک اور حضرت معاویہ

پہلے بادشاہ ہوئے۔ (الحسن بن علی صد۱۰۳)

(۱۲)

شیخ موسیٰ محمد علی لکھتے ہیں۔ الامام الحسن بن علی رضی اللہ عنہ احد الخلفاء الراشدین بعد ابیہ امیر المومنین علی بن ابی طالب۔

کہ امام حسن بن علی اپنے والد ماجد امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کے بعد خلفاء راشدین میں سے تھے آپ کی خلافت رسولِ پاک کا معجزہ تھا اور رسول پاک نے ارشاد فرمایا۔ الخلافة بعدی ثلاثون سنة ۔ میرے بعد خلافت تیس سال ہے ۔ امام حسن کی خلافت کی مدت چھ ماہ تھی جس کے ساتھ تیس سال پورے ہوئے۔ (حلیم آل بیت صد۱۴۴)

(۱۳)

نیز لکھتے ہیں والدلیل علی انه احد الخلفاء الراشدین الحدیث الذی اوردناہ فی دلائل النبوة من طریق سفینة مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم تکون ملکا وانما کملت الثلاثون بخلافة الحسن بن علی ۔ کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے اس پر دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے جو حضرت سفینہ سے مروی ہے جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت میرے بعد تیس سال ہے پھر بادشاہت ہوگی اور یہ تیس سال امام حسن

بن علی کی خلافت کے ساتھ پورے ہوئے ہیں کیونکہ آپ خلافت سے حضرت معاویہ کے حق میں ربیع الاوّل ۴۱ھ میں دست بردار ہوئے تھے اور یہ تیس سال مکمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ربیع الاوّل ۱۱ھ میں ہوئی ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔

(حلیم آلِ بیت صد ۱۸۲)

(۱۴)

علامہ نسابہ سیّد محمد بن حسین سمرقندی المدنی المتوفی ۹۹۶ھ لکھتے ہیں

مدۃ خلافتہ ستۃ اشہر و ثلاثۃ ایام۔

(تحفۃ الطالب صد ۲۰)

کہ امام حسن مجتبیٰ کی مدت خلافت (راشدہ) چھ ماہ اور تین دن تھی اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام حسن مجتبیٰ خلفاء راشدین میں سے تھے۔ ہم نے اپنی کتاب "حسب ونسب" میں بھی لکھا ہے کہ امام حسن مجتبیٰ خلفاء راشدین میں سے تھے، مگر العطایا الاحمدیہ فی فتاوٰی نعیمیہ کے مؤلف مفتی اقتدار احمد خان نے لکھا ہے کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے نہیں تھے۔ امام حسن کا خلفاء راشدین میں سے ہونا حسب ونسب کے مصنف (مفتی غلام رسول) نے لکھا ہے۔ چنانچہ مصنف حسب ونسب نے اپنی کتاب کی جلد پنجم صد ۲۹۲ پر لکھا ہے کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے اور اس کی دلیل دو حوالے نقل کرتے ہیں۔

پہلا البدایہ والنہایہ جلد ہشتم کا دوسرا حوالہ ابن کثیر کا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہوگی (عطایا احمدیہ صد ۱۲۰ ج ۵)

عطایا احمدیہ کے مؤلف کی یہ صریح کذب بیانی و بد دیانتی اور دینی معاملات میں خیانت ہے کیونکہ حسب و نسب جلد پنجم میں صرف دو حوالے ذکر نہیں کیے گئے، بلکہ متعدد دلائل بمعہ حوالہ جات ذکر کیے گئے ہیں جن میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ امام حسن علیہ السلام خلفاء راشدین میں سے تھے۔
عطایا احمدیہ کے مؤلف نے خیانت سے کام لیا ہے صرف ان دو حوالوں کا ذکر کیا ہے جن میں ہے کہ خلافت تیس سال ہوگی پھر ظلم و ستم والی بادشاہت ہوگی۔ ان دلائل اور حوالہ جات کا ذکر نہیں کیا جن میں تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے۔ ہم نے اس کتاب میں جو امام حسن کے فضائل و حالات میں ہے اس میں خلافت راشدہ کے باب میں پہلے چودہ دلائل بمعہ حوالہ جات ذکر کیے ہیں جن میں تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ امام حسن مجتبیٰ خلفاء راشدین میں سے تھے۔

نیز یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے اور اب ضرورت داعیہ کی بنا پر دوبارہ ان دلائل اور حوالہ جات کا ذکر کرتے ہیں جو کہ "حسب و نسب" جلد پنجم میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کتب معتبرہ سے وہ دلائل بمعہ حوالہ جات ذکر کرتے ہیں جن میں امام حسن کا خلفاء راشدین میں سے ہونا ثابت ہے یہاں جمہور علماء کا مذہب بھی ذکر ہوگا کہ جمہور علماء امام حسن کو خلفاء راشدین میں شمار کرتے ہیں۔

غرضیکہ مفسرین، محدثین، مؤرخین، فقہاء اور جمہور علماء نے تصریح کی ہے کہ امام حسن مجتبیٰ خلفاء راشدین میں سے تھے۔ اس کے ثبوت کے بارے میں دلائل بمعہ حوالہ جات بھی درج ذیل مذکور ہیں۔

(۱۵)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم یصیر ملکا عضوضاً کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر کاٹنے والی بادشاہت ہوگی۔

(۱۶)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰ نے خلافت کو اس لیے ترک کیا تھا کہ آپ بادشاہوں میں داخل نہیں ہونا چاہتے تھے۔

(۱۷)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم تکون ملکا۔ کہ خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہوگی اور یہ خلافت تیس سال اس وقت مکمل ہوتی ہے جب کہ امام حسن کی خلافت کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔

(۱۸)

صاحب نبراس نے خلفاء راشدین کی خلافتوں کی مدت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام حسن کی خلافت کی مدت چھ ماہ اور کچھ دن تھی۔
(نبراس ص ۵۰۴ حاشیہ ع۱)

(۱۹)

حضرت معاویہ نے خود فرمایا تھا۔ انا اول الملوک۔ میں مسلمانوں میں پہلا بادشاہ ہوں۔ (خلافت وملوکیت ص ۱۴۸)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ، امام حسن مجتبیٰ کو بادشاہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ خلیفہ راشد سمجھتے تھے۔

(۲۰)

قاضی ابوبکر بن العربی المتوفی ۵۳۴ھ لکھتے ہیں کہ بادشاہی کی ابتداء حضرت معاویہ سے ہوئی ہے۔ (العواصم من القواصم صد ۲۰۷) جب مسلمانوں میں بادشاہی کی ابتداء حضرت معاویہ سے ہوئی تو ثابت ہوا کہ امام حسن خلیفہ راشد تھے۔

(۲۱)

ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ بادشاہ تھے۔

(منہاج السنۃ صد ۱۸۵)

(۲۲)

حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں والسنۃ ان یقال لہ ملک ولا یقال لہ خلیفۃ لحدیث سفینۃ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم تکون ملکا عضوضا۔

(البدایہ والنہایہ صد ۱۲۵ ج ۸)

سنت (صحیح طریقہ) یہی ہے کہ حضرت معاویہ کو بادشاہ کہا جائے خلیفہ نہ کہا جائے بوجہ حدیث سفینہ کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی پھر کاٹنے والی بادشاہت ہوگی۔

(۲۳)

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ واول ملوک الاسلام معاویۃ بن ابی سفیان (تفسیر ابن کثیر صد ۱۴ ج ۲) کہ اسلام میں پہلے بادشاہ معاویہ

بن ابی سفیان تھے۔

(۲۴)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ لکھتے ہیں۔ انقضت الخلافة بشهادة علی کرم الله وجهه و خلع الحسن ومعاوية كان على سيرة الملوك لا على سيرة الخلفاء۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص۲۱۳ ج ۲)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت اور امام حسن کی دستبرداری سے خلافت ختم ہوگئی اور معاویہ بادشاہوں کی سیرت پر تھے۔ خلفاء راشدین کی سیرت پر نہ تھے۔

(۲۵)

علامہ تفتازانی المتوفی ۷۸۲ھ لکھتے ہیں۔ فمعاوية ومن بعدهم لم يكونوا خلفاء بل ملوكا۔ (شرح عقائد) پس معاویہ اوران کے بعد حکمران خلفاء نہیں تھے بلکہ بادشاہ اور امراء تھے۔

(۲۶)

سید شریف جرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی اور جوان تیس سال کے درمیان حکام ہوئے ہیں وہ خلفاء ہیں اور تیس سال کے بعد جو ہوئے وہ بادشاہ ہیں۔ (شرح موافق ص۷۴۰)

(۲۷)

علامہ خلیل احمد انبیٹھوی المتوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں بل علی وحسن خلفاء (بذل المجہود شرح ابو داؤد جلد پنجم) حضرت علی اور امام حسن خلفاء راشدین ہیں

سے ہیں اور بعد میں بادشاہ اور امراء ہیں۔

(۲۸)

ملا علی القاری المتوفی ۱۰۱۶ھ لکھتے ہیں۔ واول ملوک المسلمین معاویۃ۔ (شرحِ فقہ اکبر صد ۱۸۳) کہ مسلمانوں کے پہلے بادشاہ حضرت معاویہ تھے۔

(۲۹)

علامہ عبدالحی المتوفی ۱۳۰۴ھ لکھتے ہیں۔ فکان الحسن آخر خلفاء الراشدین بنص جدہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (فتاوی عبدالحی صد ۶۵، ج ۲) امام حسن خلفاء راشدین میں سے آخری خلیفہ تھے آپ کی خلافت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نص فرمائی ہے۔

(۳۰)

حافظ ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔ یقول معاویۃ انا اول الملوک (الاستیعاب صد ۲۸۰، ج ۳) کہ حضرت معاویہ خود فرماتے تھے کہ میں پہلا بادشاہ ہوں۔ ان دلائل سے ثابت ہے کہ امام حسن مجتبیٰ خلفاء راشدین میں سے تھے بلکہ آپ کی خلافت پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نص فرمائی ہے۔ چونکہ ان دلائل سے امام حسن کی خلافت راشدہ واضح طور پر ثابت ہوتی تھی اس لیے عطایا احمدیہ کے مؤلف نے ان دلائل کے بارے میں ذکر تک نہیں کیا اور کذب بیانی کرتے ہوئے کہا کہ حسب ونسب کے مصنف نے صرف دو حوالے ذکر کیے ہیں پھر اس مؤلف نے کہا کہ مجھ سے اس مسئلہ کے بارے میں لوگوں نے سوال کیا اور میں جواب دیتا ہوں کہ امام حسن خلفاء راشدین میں

سے نہیں تھے ہم نے تو اب تک یہی سنا تھا کہ خلافت راشدہ صرف خلفاء اربعہ کی تھی۔ (عطایا احمدیہ صفحہ ۱۲۰، ج ۵)

اب قارئین حضرات اندازہ کریں کہ جو دلائل بمعہ حوالہ جات ہم نے ذکر کیے ہیں وہ عطایا احمدیہ کے مؤلف نے نہ پڑھے ہیں اور نہ ہی سنے ہیں اب یہ مؤلف اسی بارے میں اور دلائل بمعہ حوالہ جات پڑھے اور سُنے۔

(۳۱)

چنانچہ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ۔ امام احمد نے حماد بن سلمہ، سعید بن جمہان اور سفینہ کی زبانی لکھا ہے کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تیس سال تک خلافت رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہو گی، تمام اصحاب سنن نے یہ حدیث لکھی ہے۔ اور ابن حبان وغیرہ اس کو صحیح کہتے ہیں۔ جمہور علماء کا بیان ہے کہ چاروں خلفاء اور امام حسن کے زمانہ تک کی مدت یہی تیس سال ہیں۔ بزاز نے محمد بن سکین، یحییٰ بن حسان، یحییٰ بن حمزہ، مکحول، ثعلبہ اور ابو عبیدہ بن جراح کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد لکھا ہے کہ اسلام کا آغاز نبوت و رحمت سے ہوا پھر خلافت و رحمت ہو گی پھر ملوکیت و ستم رانی کا دور دورہ ہو گا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۵)

(۳۲)

نیز تاریخ الخلفاء میں ہے کہ امام حسن بن علی بن ابی طالب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ ہیں۔ اور حدیث شریف کے موافق آخری خلیفہ ہوئے۔ علامہ ابن سعد نے عمران بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ حسن وحسین یہ دونوں نام جنتیوں کے ہیں۔ زمانہ جاہلیت یعنی اسلام سے پہلے

کسی نے یہ نام نہیں رکھے تھے کیونکہ وہ ان دونوں ناموں سے ناواقف تھے (تاریخ الخلفاء صہ۱۸۹) اس سے ثابت ہوا کہ محدثین اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے اور آپ کا آخری خلیفہ ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے۔

(۳۳)

مشکوٰۃ المصابیح کے حاشیہ میں بحوالہ لمعات مذکور ہے کہ مسلمان دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئے ایک جماعت حضرت معاویہ کے ساتھ تھی اور ایک جماعت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ وکان الحسن احق بذالک وقد بقی ستۃ اشہر من ثلاثین سنۃ اللتی بہا یتم ما اخبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقولہ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ (حاشیہ ع۲ بحوالہ لمعات مشکوٰۃ المصابیح صہ۵۶۹) اور امام حسن اس خلافت کے زیادہ مستحق تھے اور تیس سال میں سے باقی چھ ماہ رہ گئے جو امام حسن کی خلافت کے ساتھ تیس سال مکمل ہوئے جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی چونکہ تیس سال کی مدت خلافت راشدہ کی مدت تھی یہ مدت امام حسن کی خلافت کے ساتھ مکمل ہوئی ہے تو ظاہر ہے کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے تھے۔

(۳۴)

خلافت وملوکیت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر بادشاہی ہوگی اور یہ مدت ربیع الاول ۴۱ھ میں ختم ہو گئی۔ جبکہ امام حسن حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوئے۔

(۳۵)

مفتی احمد یار خان نعیمی المتوفی ۱۳۹۱ھ نے خلیفہ کے انتخاب کے طریقہ میں لکھا ہے ارکان دولت کا انتخاب جیسے خلافت عثمانی و مرتضوی و خلافت امام حسن ہے۔ نیز لکھا ہے کہ امام حسن کے بعد حضرت معاویہ بادشاہ ہوئے تھے۔ (تفسیر نعیمی صد ۶۱۶ جلد ۲)۔ اب اس عبارت سے ظاہر ہے جیسے کہ حضرت عثمان اور حضرت علی خلفاء راشدین میں سے تھے اسی طرح امام حسن بھی خلفاء راشدین میں سے تھے اور بادشاہت کا آغاز حضرت معاویہ سے ہوا تھا۔

(۳۶)

نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ نے اپنی تفسیر خزائن العرفان میں لکھا ہے کہ اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ اور آپ کے بعد ہونے والے خلفاء راشدین کی خلافت کی دلیل ہے کیونکہ ان کے زمانہ میں فتوحات عظیم ہوئے اور کسریٰ وغیرہ ملوک کے خزائن مسلمانوں کے قبضہ میں آئے اور امن و تمکین اور دین کا غلبہ حاصل ہوا۔

ترمذی و ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا خلافت میرے بعد تیس سال ہے پھر ملک ہوگا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت دو سال تین ماہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال چھ ماہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بارہ سال اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت چار سال نو ماہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت چھ ماہ ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان صد ۵۱۷)

(۳۷)

مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "عقیدہ" نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق و امام مطلق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان، پھر حضرت مولیٰ علی، پھر چھ مہینے کے لیے امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہوئے۔ ان حضرات کو خلفاء راشدین اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور کی سچی نیابت کا پورا حق ادا فرمایا۔

(بہار شریعت صـ۲، حصہ اول)

جب صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا امجد علی اور مفتی احمد یار خان نعیمی نے بھی تصریح کر دی ہے کہ امام حسن مجتبیٰ خلفاء راشدین میں سے تھے اور آپ کی خلافت، خلافت راشدہ تھی تو عطایا احمدیہ کے مؤلف کا یہ کہنا کہ امام حسن خلفاء راشدین میں سے نہ تھے۔ اس کا یہ انکار دراصل واقعی اور حقیقی امر کا انکار ہے جس کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ ہی کوئی بنیاد ہے بلکہ یہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی ہے کیا یہ عطایا احمدیہ کا مؤلف ان تمام مفسرین، محدثین، متکلمین، فقہاء اور جمہور علماء سے زیادہ شمسی و قمری حساب کو جانتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں نے شمسی و قمری حساب لگایا ہے کیا یہ لوگ اور جمہور علماء بغیر حساب لگائے ہوئے مسائل بیان کرتے تھے اس مؤلف پر جنون طاری تھا اور جس کو جنون لاحق ہو وہ تمام عقلمند لوگوں کو اپنی طرح تصور کرتا ہے۔

بایں وجہ اس کی تمام باتیں غلط اور تحقیق کے خلاف ہیں۔ اور ملاحظہ کریں۔ لکھتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت علوی تھے۔ یہ بھی اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔ مولیٰ علی شیر خدا کی خلافت کو علوی کیسے کہا جا سکتا ہے

اور مولیٰ علی شیر خدا علوی کیسے ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ بہار شریعت میں ہی ہے مولیٰ علی (شیر خدا) علوی کیسے ہو سکتے ہیں (بہار شریعت ص۲۷ حصہ اوّل) جب مولیٰ علی شیر خدا علوی نہ ہوئے تو آپ کی خلافت کو خلافت علوی کہنا کیسے صحیح ہوا بلکہ آپ کی خلافت کو خلافت مرتضوی کہا جا سکتا ہے۔

(۴۸)

شرح عقائد میں ہے والخلافة ثلاثون سنة ثم بعدها ملك وامارة اور خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد بادشاہت اور امارت ہو گی اور خلافت راشدہ علیٰ طریق منہاج نبوت ہے یعنی خلافت راشدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی نیابت کو کہتے ہیں، ملوکیت اور بادشاہت میں سچی نیابت نہیں ہوتی۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے الخلافة بعدی ثلاثون سنة ثم یصیر بعدها ملکا عضوضا۔

خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد کاٹنے والی بادشاہت ہوگی یعنی جس میں ظلم و تشدد ہوگا۔ اس حدیث کے راوی حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا خلافت تیس سال ہوگی۔ اس کے بعد خلافت ختم ہو جائے گی اور بادشاہت شروع ہوگی۔ حضرت سفینہ نے خلافت کی مدت اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا زمانہ دو سال ہے۔ اور حضرت عمر فاروق کی خلافت کا زمانہ دس سال ہے اور حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ بارہ سال ہے اور حضرت علی کی

خلافت کا زمانہ چھ سال ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۴۶۳، کتاب الفتن)۔ حضرت سفینہ نے مدت خلافت تیس سال کا جو حساب لگایا ہے وہ تخمینہ اور اندازہ لگایا ہے۔ حضرت سفینہ نے کسور یعنی مہینوں اور دنوں کا حساب نہیں لگایا بلکہ صرف سال ذکر کر کے حساب لگایا ہے ورنہ دیگر صحیح روایات اور معتبر تاریخوں میں تیس سال مدت خلافت اس طرح مذکور ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا زمانہ دو سال چار ماہ ہے۔ حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ دس سال چھ ماہ ہے۔ حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ بارہ سال ایک ماہ کم ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کا زمانہ چار سال نو ماہ ہے۔ اس طرح چاروں خلفاء کی تمام مُدّت خلافت انتیس سال چھ ماہ بنتی ہے اور چھ ماہ باقی رہے وہ امام حسن مجتبیٰ کی خلافت کا زمانہ ہے امام حسن بھی خلفاء راشدین میں سے تھے۔ (اشعۃ اللمعات اردو ترجمہ، شرح عقائد نسفی اردو ترجمہ بحوالہ مظاہر حق)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ امام حسن مجتبیٰ خلفاء راشدین میں سے تھے عطایا احمدیہ کے مؤلف کو شمسی و قمری غلط حساب لگا کر بلا وجہ دخل اندازی نہیں کرنا چاہیے تھی اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ مصنف حسب ونسب نے جو خلافت راشدہ کے بارے میں حساب لکھا ہے اس کا کوئی حوالہ نہیں لکھا یہ بھی اس کی کذب بیانی ہے کیونکہ ہم نے اس کا حوالہ نبراس کے حاشیہ سے لکھا ہے۔

عطایا احمدیہ کے مؤلف کی بنیادی غلطی یہ ہے جو اس نے لکھا ہے کہ خلافت راشدہ کو خود رب تعالےٰ نے قائم ومعین، مقرر، مرتب فرمایا ہے۔ (عطایا احمدیہ ص۱۲۱، جلد پنجم) اس کی یہ صریح غلطی اور یہ اصول شریعت کے

خلاف ہے کیونکہ خلافت راشدہ کے خلفاء کا تقرر و تعین مسلمان کرتے ہیں۔
چنانچہ مفتی احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں کہ خلافت دو قسم پر ہے۔ ایک خلافت
نبوت کے ساتھ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت اس کا تعین و تقرر
اللہ تعالےٰ کرتے ہیں اور دوسری خلافت بغیر نبوت کے جیسے کہ خلافت راشدہ
اس کے خلفاء کا تقرر و تعین مسلمان کرتے ہیں۔

(تفسیر نعیمی صد ۲۵۵ ج اوّل)

نیز لکھتے ہیں کہ خلافت کے لیے خلفاء کے انتخاب کا اسلام میں
اس کے تین طریقے ہیں۔

(۱) پہلا خلیفہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر جائے جیسے خلافت فاروقی
کہ صدیق اکبر کے انتخاب سے عمل میں آئی۔

(۲) عام مسلمانوں کا انتخاب جیسے خلافت صدیقی کہ حضور پاک صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے صراحتاً کسی کو خلافت نہ دی اجماع (اتفاق) مسلمین سے
صدیق اکبر خلیفہ منتخب ہوئے۔

(۳) ارکان دولت کا انتخاب جیسے خلافت عثمانی و مرتضوی و
خلافت امام حسن۔ (تفسیر نعیمی صد ۶۱۶ جلد دوم) اس سے ظاہر ہے کہ خلافت
راشدہ میں خلیفہ کا تقرر و تعین مسلمان ہی کرتے ہیں اور حافظ بیہقی نے ابوسعید
خدری سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد
سعد بن عبادہ کے گھر میں لوگوں کا اجتماع ہوا جس میں حضرت ابوبکر و حضرت
عمر بھی موجود تھے۔ ایک انصاری خطیب نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے گروہ
قریش رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ جب تم میں سے کسی
کو حاکم بناتے تو ہم سے بھی ایک انصاری کو اس کا مددگار بناتے تھے اس

لیے مساوات کے مد نظر مناسب یہی ہے کہ ایک حاکم تم میں سے بنایا جائے اور ایک ہم میں سے تاکہ کوئی نزاع نہ رہے۔ اس کے بعد اور انصار نے اسی طرح بیان کیا پھر زید بن ثابت نے کھڑے ہو کر کہا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین میں سے تھے اس لیے ان کا خلیفہ بھی مہاجرین سے ہی ہونا چاہیے اور چونکہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار و مددگار تھے اس لیے ان کے خلیفہ کے بھی مددگار و انصار رہیں گے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کا ہاتھ پکڑ کر کہا یہ تمہارے سردار ہیں اور خود ان کی بیعت کی اور اس کے بعد حضرت عمر نے بیعت کی پھر مہاجرین و انصار نے بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے بر سر منبر تشریف لا کر تمام حاضرین پر نظر ڈالی اور فرمایا زبیر دکھائی نہیں دیتے انہیں بلا لاؤ چنانچہ وہ آئے حضرت ابوبکر نے فرمایا اے زبیر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہیں کیا آپ مسلمانوں کی کمر توڑنا چاہتے ہیں۔ حضرت زبیر نے جواباً کہا اے خلیفہ رسول اللہ آپ فکر نہ کیجیے اور پھر بیعت کر لی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے فرمایا حضرت علی نظر نہیں آرہے ان کو بھی بلاؤ وہ جب آئے تو ان سے فرمایا اے علی آپ رسول اللہ کے چچا زاد بھائی اور داماد رسالت ہوتے ہوئے اسلام کو کمزور کرنا چاہتے ہو انہوں نے جواباً کہا اے خلیفہ رسول اللہ آپ فکر نہ کیجیے اور یہ کہہ کر حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔

(تاریخ الخلفاء صہ۴۷)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام مسلمانوں نے خلیفہ منتخب کیا اور جب ابوبکر صدیق دنیا سے تشریف لے جانے لگے اور آپ بیمار ہوئے تو آپ نے حضرت عمر فاروق کو خلیفہ منتخب کیا۔

چنانچہ واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر جب زیادہ بیمار ہو گئے تو آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو بلایا اور حضرت عمر فاروق کے بارے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میری بہ نسبت آپ ان سے زیادہ واقف ہیں۔ حضرت ابوبکر نے کہا اگرچہ میں ان سے واقف ہوں لیکن تم بتاؤ وہ کیسے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا ان کے بارے میں جو آپ کی رائے ہے بخدا اس سے زیادہ میں ان کو بہتر سمجھتا ہوں۔ پھر حضرت عثمان کو بلا کر یہی پوچھا انہوں نے کہا بخدا عمر کا باطن ان کے ظاہر سے بہتر ہے۔ ان جیسا بزرگ و برتر ہم میں اور کوئی نہیں ہے۔ پھر مہاجرین و انصار اور سعید بن زید اور اُسید بن حضیر سے مشورہ کیا تمام نے حضرت عمر کے بارے میں اچھی رائے دی۔

علامہ ابن عساکر نے یسار بن حمزہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر نے سخت بیماری کی حالت میں کھڑکی سے سر باہر نکال کر لوگوں کو کہا کہ میں نے ایک شخص کا انتخاب کیا ہے کیا تم راضی ہو۔ اس پر سب نے کہا اے خلیفہ رسول اللہ ہم آپ کے انتخاب پر راضی ہیں لیکن حضرت علی نے بڑھ کر کہا حضرت عمر کے سوا ہم کسی اور کو پسند نہیں کرتے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ منتخب کردہ عمر ہی ہیں۔ (تاریخ الخلفاء صد ۸۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ میں ہوئی اور آپ کی نماز جنازہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کو روضہ رسول میں دفن کیا گیا۔ (تاریخ الخلفاء صد ۹۱) حضرت ابوبکر صدیق نے چونکہ حضرت عمر فاروق کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا لہٰذا آپ خلیفہ ہوئے آپ کو مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابو لؤلؤ مجوسی نے شہید کیا تھا۔ آپ نے اپنی وفات سے قبل خلافت کے لیے مجلس شوریٰ مقرر کر دی۔ چنانچہ آپ کو کہا گیا کہ کسی کو

خلیفہ منتخب فرما دیجیے فرمایا انتخاب خلیفہ کے لیے وہ چھ آدمی زیادہ مستحق ہیں جن سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی رہے پھر ان چھ اشخاص کے نام لیے، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن عمر کو فرمایا کہ حضرت عائشہ کی خدمت میں جاکر عرض کرو کہ وہ مجھے میرے دوستوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت دیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے اجازت دے دی اور آپ کی نماز جنازہ مسجد میں حضرت صہیب نے پڑھائی اور آپ کو روضہ رسول میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد ارکان مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ آپ حضرات تین اشخاص کو اپنا نمائندہ بنالیں۔

چنانچہ حضرت زبیر نے حضرت علی شیر خدا کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ سعد بن ابی وقاص نے عبدالرحمٰن بن عوف کو مقرر کیا اور حضرت طلحہ نے حضرت عثمان غنی کو مقرر کیا۔ چنانچہ تین منتخب اشخاص باہم گفتگو کے لیے ایک علیحدہ مقام میں گئے جہاں عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ میں خلیفہ نہیں بننا چاہتا اب آپ دونوں میں سے ایک کو دست بردار ہوتا ہے۔ تاکہ باقی کو امور خلافت سپرد کر دیے جائیں، حضرت علی اور حضرت عثمان خاموش رہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ انتخاب خلیفہ کا کام میرے سپرد کر دیجیے دونوں نے کہا کہ بہتر ہے۔

چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علی سے تنہائی میں کہا کہ آپ پہلے اسلام لائے ہیں اور ساتھ ہی آپ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ اگر میں آپ کا انتخاب کر لوں تو کیا آپ عدل وانصاف کریں گے

اور اگر آپ کے مقابلہ میں دوسرے کو خلیفہ بنا دوں تو آپ اس کی اطاعت کریں گے۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ ہاں پھر حضرت عثمان سے تنہائی میں یہ بات کہی اور جب انہوں نے بھی یہ وعدہ کر لیا تو عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان غنی کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی اور پھر حضرت علی نے بھی حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی۔ اور حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہو گئے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک مصری شخص نے جس کا نام حمار تھا شہید کیا اور آپ کی نماز جنازہ حضرت زبیر نے پڑھائی۔

علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کے دوسرے دن تمام صحابہ نے حضرت علی شیر خدا کے ہاتھ پر بخوشی بیعت کر لی اور آپ خلیفہ مقرر ہوئے۔ حضرت علی شیر خدا کو ابن ملجم خارجی نے شہید کیا۔ آپ کی نماز جنازہ امام حسن علیہ السلام نے پڑھائی۔ حضرت مولیٰ علی کی شہادت کے بعد امام حسن کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی اور آپ خلیفہ منتخب ہوئے اور چھ ماہ آپ نے خلافت کی پھر حضرت معاویہ کے حق میں آپ دست بردار ہوئے۔ (تاریخ الخلفاء صد ۱۹۲)

اب اس سے ظاہر ہے کہ خلفاء راشدین کا تقرر و تعین مسلمانوں نے کیا تھا۔ عطایا احمدیہ کے مؤلف کا یہ کہنا کہ خلفاء راشدین کا تقرر و تعین اللہ تعالےٰ کرتا ہے مسلمان نہیں کرتے صریح غلط اور بے بنیاد بات ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، عثمان غنی، مولیٰ علی شیر خدا اور امام حسن مجتبیٰ کا انتخاب مسلمانوں نے کیا تھا اور مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر کے ان کو اپنا خلیفہ بنایا تھا۔

اور عطایا احمدیہ کے مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ خلافت راشدہ کی

امتیازی شان و نشان یہ ہے کہ کسی بھی خلیفہ راشد کو تا عمر یہ جائز نہیں ہے کہ اپنی خلافت کو چھوڑے اور کسی کے حق میں دست بردار ہو جائے۔ ہر خلیفہ راشد پر واجب ہے کہ تا وفات خلافت خود نہ چھوڑے۔ اگرچہ جان جاتی رہے اور قتل کر دیا جائے ورنہ خلیفہ گنہ گار عنداللہ مجرم ہوگا کیونکہ یہ خلافت راشدہ رب تعالیٰ کا تقرر و ترتیب ہے۔ اگر امام حسن بھی خلیفہ راشدین میں سے ہوتے تو کچھ بھی ہو جاتا کتنی ہی خونریزی قتل عام ہو جاتا ہرگز ہرگز نہ چھوڑتے نہ امیر معاویہ کو حکومت دیتے۔ (العطایا الاحمدیہ صد ۱۲۱ جلد ۵)

اس مؤلف کی یہ تمام باتیں وضعی اور جعلی ہیں۔ خلیفہ راشد کے لیے خلافت راشدہ سے دست بردار ہونا جائز ہے۔ خلیفہ راشد کا تقرر و تعین رب تعالےٰ نہیں کرتا بلکہ عام مسلمان کرتے ہیں۔ جیسے کہ پہلے گذر چکا ہے اور خلیفہ راشد کا خلافت راشدہ سے دست برداری جائز ہے۔

چنانچہ علامہ بلقینی نے آپ کی دستبرداری خلافت سے یہ استدلال کیا ہے کہ خلافت ایک بلند ترین منصب ہے۔ اس سے دست برداری جائز ہے۔ (تاریخ الخلفاء صد ۱۹۳)

جب علماء کی تصریح موجود ہے کہ خلیفہ راشد کی خلافت راشدہ سے دست برداری جائز ہے تو اس نام نہاد مؤلف کا کہنا کہ اگر خلیفہ راشد دست بردار ہو تو وہ گنہ گار اور مجرم ہے کتنی اس کی یہ بات شریعت اسلامیہ اور اصول دین کے خلاف ہے۔ خلیفہ راشد مجرم نہیں ہوگا بلکہ عطایا احمدیہ کا یہ مؤلف خود گنہ گار اور مجرم ہے بلکہ قابلِ تعزیر ہے۔ کسی مجتہد اور فقیہ نے نہیں لکھا کہ خلیفہ راشد کا خلافت راشد سے دست بردار ہونا جرم اور گنہ ہے بلکہ اس کے برعکس علماء نے تصریح کی ہے کہ خلیفہ راشد کا خلافت راشدہ سے

دست بردار ہونا جائز ہے۔ اگر جائز نہ ہوتا تو امام حسن علیہ السلام کبھی بھی دست بردار نہ ہوتے۔ آپ کی دست برداری سے شرعًا یہ ثابت ہوگیا کہ خلیفہ راشد کا خلافت راشدہ سے دست بردار ہونا جائز ہے پھر عطایا احمدیہ کے مؤلف نے اپنی بے بنیاد اور بیہودہ بات پر دلائل ذکر کیے ہیں ان میں سے پہلی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ذکر کی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ خدا انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسے کہ ان سے پہلوں کو دی۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اس مؤلف نے لکھا ہے کہ آیت میں سابقہ امتوں کے برابر چار خلفاء عظام کا ذکر ملتا ہے۔ اس مؤلف کا یہ مفہوم سمجھنا کہ چار خلفاء کے برابر کا ذکر ملتا ہے صریح غلط ہے کیونکہ چار خلفاء راشدین نہیں ہیں بلکہ پانچ ہیں پانچویں امام حسن مجتبیٰ ہیں۔

چنانچہ صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی نے اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ خلفاء راشدین میں سے امام حسن مجتبیٰ بھی تھے لہٰذا اس مؤلف کا چار کا ذکر کرنا غلط ثابت ہوا۔

اور عطایا احمدیہ کے مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ سورۂ نور آیت ۵۵ میں کما استخلف کی تشبیہ میں تعداد خلفاء اور مدارج و مراتب خلفاء دونوں کی مثلیت اور برابری بیان فرمائی گئی کہ وہ چار تو یہ بھی چار۔ (عطایا احمدیہ ص۱۲۲) یہ بھی اس مؤلف کی صریح غلطی ہے کیونکہ چار کی برابری نہیں ہے۔ خلفاء راشدین چار نہیں ہیں بلکہ امام حسن مجتبیٰ کے ساتھ پانچ ہیں۔ جیسے پہلے متعدد

مرتبہ گذر چکا ہے اور کما استخلف کی تشبیہ سے بھی چار ثابت کرنے غلط ہیں۔ چنانچہ اسی آیت کی تفسیر کما استخلف کے تحت حضرت صدر الافاضل لکھتے ہیں جیسے حضرت داؤد وسلیمان وغیرہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اور جیسے کہ جابرہ مصر وشام کو ہلاک کر کے بنی اسرائیل کو خلافت دی اب اس سے ظاہر ہے کہ کما استخلف سے صرف چار کا تعین مراد نہیں ہے بلکہ اس سے تو مراد حضرت داؤد وسلیمان وغیرہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بنی اسرائیل کے تمام خلفاء ہیں۔ اب واضح ہوا کہ مؤلف نے جو سمجھا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں چار چار خلفاء مراد ہیں غلط ہے بلکہ مشبہ لیستخلفنھم میں خلفاء راشدین پانچ ہیں اور مشبہ بہ کما استخلف میں حضرت داؤد وسلیمان وغیرہ انبیاء علیہم السلام اور بنی اسرائیل کے تمام خلفاء مراد ہیں۔

دراصل اس مولف نے تشبیہ سے جو یہاں مقصد ہے وہ نہیں سمجھا۔ تشبیہ کے معنے ہیں ایک امر کو دوسرے امر کے ساتھ کسی صفت میں شریک بنانا جیسے کہا جائے زیدٌ اسدٌ کہ زید شیر کے ساتھ بہادری میں شریک ہے اس میں زید مشبہ ہے اور اسد مشبہ بہ ہے اور کاف حرف تشبیہ ہے اور شجاعت وجہ شبہ ہے۔

علامہ خطیب قزوینی المتوفی ۷۳۹ھ تشبیہ کی بحث میں لکھتے ہیں۔ واعلیٰ مراتب التشبیہ فی قوۃ المبالغۃ باعتبار ذکر ارکانہ کلھا اوبعضھا علی حذف وجھہ واداتہ فقط اومع حذف المشبہ ثم حذف احدھما کذالک ولا قوۃ لغیرھا۔ (تلخیص المفتاح ص۲۷۶)

تشبیہ کے چار ارکان ہیں۔ ا۔ مشبہ۔ ۲۔ مشبہ بہ۔ ۳۔ وجہ شبہ۔ ۴۔ ادات تشبیہ یعنی حروف تشبیہ اور ان میں سے مشبہ بہ تو کبھی حذف نہیں ہوتا اور اس کے علاوہ باقی ارکان میں سے محذوف بھی ہو جاتا ہے اور مذکور بھی لہٰذا ارکان تشبیہ کے محذوف و مذکور ہونے کے اعتبار سے آٹھ صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) مشبہ مذکور ہو اور وجہ شبہ بھی مذکور ہو۔
(۲) مشبہ مذکور ہو اور وجہ شبہ محذوف ہو۔
(۳) مشبہ محذوف ہو اور وجہ شبہ مذکور ہو۔
(۴) مشبہ محذوف ہو اور وجہ شبہ بھی محذوف ہو۔

یہ چار صورتیں ہوئیں ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ حرف تشبیہ مذکور رہو۔ دوم یہ کہ حرف تشبیہ محذوف ہو لہٰذا یہ کل آٹھ قسمیں ہوئی۔

علامہ قزوینی فرماتے ہیں کہ قوت مبالغہ میں تشبیہ کا سب سے اعلیٰ مرتبہ اس کے جملہ ارکان یا بعض ارکان کے ذکر کے اعتبار سے وہ ہے جس میں صرف وجہ تشبیہ اور ادات تشبیہ محذوف ہوں جیسے زید اسد یا دونوں مع مشبہ کے محذوف ہوں جیسے کہ من جاء کے جواب میں کہا جائے۔ اسد پھر اس مرتبہ کے بعد اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ صرف وجہ شبہ محذوف ہو جیسے زید کا لا سد یا حذف ادات تشبیہ ہو جیسے زید اسد فی الشجاعۃ یا وجہ شبہ مع مشبہ محذوف ہو جیسے کا الاسد، یا ادات تشبیہ مع مشبہ محذوف ہو جیسے اسد فی الشجاعۃ۔ یہ چھ صورتیں ہوئیں جن میں پہلے دو اعلیٰ مرتبہ ہیں اور بعد کی چار بھی اعلیٰ ہیں مگر اولین سے کم ہیں۔ اب دو صورتیں باقی ہیں یعنی ذکر الاداۃ و وجہ الشبہ مع المشبہ، ۲ ذکر ہما بدون المشبہ۔ ان دونوں صورتوں میں ذرا مبالغہ نہیں ہے۔

اس مؤلف نے کما استخلف کی تشبیہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ چار خلفاء راشدین کی تشبیہ چار خلفاء انبیاء عظام کے ساتھ دی گئی ہے اس کی یہ بات غلط اور علم بیان کے قانون کے خلاف ہے کیونکہ اس پر تو لازم آتا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں محذوف ہوں حالانکہ مشبہ یہ

کسی صورت میں بھی حذف نہیں ہوتا یہاں تشبیہ صرف استخلاف میں ہے اور خلفاء راشدین پانچ ہیں۔ ان کا تقرر وتعین عام مسلمان کرتے ہیں اور جو خلفاء انبیاء کرام ہیں۔ ان کی خلافت مع النبوت ہے اس کا تعین وتقرر رب تعالےٰ کرتا ہے۔ پھر عطایا احمدیہ کے مؤلف نے خلافت آدم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ اعراف کی آیت **واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح** کا ترجمہ وتفسیر غلط کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے اور اے بنی اسرائیل اس نعمت کو یاد کرو جب اللہ نے تم میں بہت سے خلیفہ بنائے امت نوح کے بعد اب اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے قوم ہود کو خطاب فرمایا ہے کہ اے قوم ہود تم یاد کرو اس نعمت کو جب اللہ نے تمہیں قوم نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا اب مراد قوم ہود ہے جن کو قوم نوح کا جانشین بنایا گیا یہ مؤلف بنی اسرائیل کو جانشین قوم نوح کا بنا رہا ہے۔ بنی اسرائیل اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے کیونکہ بنی اسرائیل تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

بنی اسرائیل حضرت نوح کی قوم کے جانشین کیسے بن سکتے ہیں ان غلطیوں کے علاوہ عطایا احمدیہ والے نے بے شمار فکری، علمی، لفظی، معنوی اور شرعی غلطیاں کی ہیں۔ یہ کتاب عطایا احمدیہ نہ پڑھنے کے قابل ہے اور نہ ہی استدلال اور عمل کے قابل ہے۔ اس نام نہاد مؤلف نے دوسری دلیل ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن ماجہ نے حضرت اُم المؤمنین والمؤمنات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان کو فرمایا اے عثمان اگر اللہ تعالےٰ تجھے حاکم بنائے اس اُمت کے امور کا پس منافقون ارادہ کریں

کہ تمہاری قمیص (خلافت) اترو الیں جو تم کو اللہ نے پہنائی ہے پس اس کو نہ اتارنا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان کو یہ تین مرتبہ فرمایا۔

(عطایا احمدیہ صد ۱۲۳)

اس مؤلف نے اس روایت کا ترجمہ کرتے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام پاک کے ساتھ ام المؤمنین والمومنات لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کی ماں ہیں۔ یہ بھی اس کی غلطی ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مومن مردوں کی ماں ہیں عورتوں کی ماں نہیں ہیں۔

چنانچہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود فرمایا ہے کہ میں مومن مردوں کی ماں ہوں عورتوں کی ماں نہیں ہوں۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ انا ام رجالکم لا ام نساءکم کہ میں تم مردوں کی ماں ہوں تمہاری عورتوں کی ماں نہیں ہوں۔

(فتاوی رضویہ صد ۲۳۶)

اب اس سے ظاہر ہے کہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسلمان مردوں کی ماں ہیں اور مسلمان عورتوں کی ماں نہیں ہیں۔ اور ابن ماجہ کی مروی روایت ذکر کرنے کے بعد یہ مؤلف لکھتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے۔ لہٰذا انہوں نے خلافت کو نہ چھوڑا بلکہ جان دے دی اور شہید ہو گئے۔ اگر امام حسن خلیفہ راشد ہوتے تو وہ خلافت سے دستبردار نہ ہوئے جب وہ دست بردار ہو گئے تو وہ خلیفہ راشد نہ ہوتے۔

(عطایا احمدیہ صد ۱۲۳)

یہ بات بھی اس مؤلف کی غلط ہے تمام نے امام حسن مجتبیٰ کے بارے لکھا ہے کہ آپ خلفاء راشدین میں سے تھے اور آپ کی خلافت خلافت راشدہ تھی اور خلافت راشدہ سے دست بردار ہونا اصولاً وشرعاً جائز ہے جیسے کہ پہلے تاریخ الخلفاء کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔ باقی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دست بردار نہ ہونا اور شہید ہو جانا اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر حضرت عثمان خلافت چھوڑ دیتے تو منافق لوگ کہتے کہ حضرت عثمان حق پر نہیں تھے حالانکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔

بایں وجہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان کو فرمایا کہ خلافت کو نہ چھوڑنا کہ تم حق پر ہوگے اور منافق باطل پر ہوں گے۔ اگر حضرت عثمان خلافت چھوڑ دیتے تو منافق کہتے کہ حضرت عثمان حق پر نہیں تھے۔ چنانچہ اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شاہ عبدالحق محدث دہلوی لمعات میں لکھتے ہیں۔

فالناس ان قصدوا عزلک عنها فلا تعزل نفسک عنها لاجلهم لکونک علی الحق وکونهم علی الباطل وفی قبول الخلع ایهام وتهمة فلذا کان عثمان ما عزل نفسه حین حاصروه۔

(مشکوٰۃ ص۵۶۲، حاشیہ ع۳ بحوالہ لمعات)

اب شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے وضاحت کر دی ہے کہ حضرت عثمان کا خلافت راشدہ کو نہ چھوڑنا اس لیے تھا کہ منافق تہمت نہ دیں۔ اگر آپ چھوڑ دیتے تو منافق لوگ تہمت دیتے کہ آپ حق پر نہیں تھے۔ آپ نے جان دے کر ثابت کر دیا کہ میں حق پر ہوں اور میں تمہارے کہنے پر

خلافت کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ امام حسن مجتبٰی کا معاملہ حضرت عثمان سے منفرد تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد اور نص کے مطابق خلافت کی مدت تیس سال پوری ہوگئی۔ امام حسن بادشاہت میں داخل نہیں ہونا چاہتے تھے لہٰذا خلافت کو چھوڑ دیا اور خلافت راشدہ کا چھوڑنا جائز ہے اور عطایا احمدیہ کے مؤلف کا ابن ماجہ کی روایت سے اپنے مطلب پر استدلال کرنا باطل ہے۔

اس مؤلف نے تیسری دلیل مشکوٰۃ سے جابر بن سمرہ کی روایت پیش کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث پاک میں خلافت مطلقہ کا ذکر ہے۔ (عطایا احمدیہ ص۱۲۳) جب اس مؤلف کے قول کے مطابق یہ حدیث پاک خلافت مطلقہ کے بارے میں ہے تو پھر اس کا اپنے مطلب کے ثابت کرنے کے لیے اس کو بطور دلیل پیش کرنا درست نہیں ہے کیونکہ امام حسن مجتبٰی کی خلافت تو راشدہ ہے اور آپ خلفاء راشدین میں سے تھے لہٰذا خلافت مطلقہ کی دلیل سے استدلال کرنا باطل ہے۔ اور عطایا احمدیہ کے مؤلف مفتی اقتدار خاں نے امام حسن مجتبٰی علیہ السلام کی خلافت کے بارے میں جو کہا ہے کہ آپ خلیفہ راشد نہیں تھے، یہ غلط اور بے بنیاد ہے۔

مفسرین، محدثین، مؤرخین، متکلمین، فقہاء اور جمہور علماء نے تصریح کی ہے کہ امام حسن مجتبٰی خلفاء راشدین میں سے تھے اور آپ کی خلافت خلافت راشدہ تھی۔ اس کے علاوہ عطایا احمدیہ کے مؤلف نے اپنے اس فتاویٰ میں تمام باتیں اصول شریعت کے خلاف اور غلط لکھی ہیں۔ اس کے شروع میں اس نے سادات کرام کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں جو اس کی بدبختی پر واضح ثبوت ہیں۔ نیز کتاب "حسب ونسب" کے خلاف کافی حد تک

بکواس کیا ہے اور لکھا ہے کہ غیر سیّد، سیّد زادی کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے
مگر اس کے جواب دینے کی ہم نے ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ ہماری کتاب
"حسب ونسب" چھ جلدوں پر مشتمل ہے اس میں جوابات موجود ہیں۔ اس میں
اصول اور دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ سیّد زادی کا نکاح غیر سیّد کے ساتھ
نہیں ہوتا خواہ اس کا ولی وارث راضی ہو یا نہ ہو۔

قارئین حضرات اس مسئلہ کے تفصیلی مباحث "حسب ونسب" میں
ملاحظہ کریں۔

باب سوم

امام حسن مجتبیٰ کا حضرت معاویہ کے ساتھ صلح کا معاہدہ

حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت ۲۱ رمضان سن ۴۰ھ میں ہوئی آپ کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام خلیفہ مقرر ہوئے۔ سب سے پہلے قیس بن سعد بن عبادہ نے آپ کی بیعت کی۔

حافظ ابن کثیر المتوفی سن ۷۷۴ھ نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے کتاب الصلح میں ذکر کیا ہے کہ حسن بصری بیان کرتے ہیں۔ خدا کی قسم حضرت حسن بن علی نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا ایسی فوجوں کے ساتھ سامنا کیا جو پہاڑوں کی مانند تھیں اور عمرو بن عاص نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ فوجیں اپنے مدمقابل لوگوں کو قتل کیے بغیر واپس نہیں جائیں گی۔ حضرت معاویہ نے یہ بات سن کر کہا اگر ایسی صورت ہوئی تو پھر لوگوں کے معاملات کو سنبھالنے والا

اور انتظام کرنے والا ہمارے پاس کون ہو گا۔

بایں وجہ حضرت معاویہ نے قریش میں سے دو آدمی عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر حضرت امام حسن کے پاس بھیجے کہ تم دونوں آپ کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کے بارے میں گفتگو کرو، وہ دونوں گئے اور امام حسن علیہ السلام سے اس بارے میں گفتگو کی تو امام حسن نے ان سے فرمایا کہ ہم عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ (ہم کسی سے ڈرنے والے نہیں ہیں) ان دونوں نے کہا کہ حضرت معاویہ آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ صلح ہو جائے۔ امام حسن نے فرمایا جو بات تم کر رہے ہو اس کا ضامن کون ہو گا۔ انہوں نے کہا ہم دونوں آپ کو اس کی ضمانت دیتے ہیں۔ لہٰذا امام حسن نے حضرت معاویہ سے صلح کرلی۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸)

امام حسن علیہ السلام جلیل القدر اور بہت بڑے رعب اور جلال والے تھے۔ بایں وجہ آپ نے فرمایا کہ ہم حضرت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ ہم جہاں قدم رکھتے ہیں وہاں سے بلا وجہ اٹھاتے نہیں اور نہ ہی دشمن سے ڈرتے ہیں۔ ہم حضرت عبدالمطلب کی اولاد ہیں وہ بھی کسی سے نہ ڈرتے تھے نہ خوف رکھتے تھے۔

چنانچہ رئیس الحنفیہ علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ حضرت عبدالمطلب کے فضائل و مناقب میں لکھتے ہیں کہ جب اصحاب فیل (ابرھہ) نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا اور قریش حرم سے نکل گئے تو حضرت عبدالمطلب نے کہا واللہ لا اخرج من حرم اللہ ابغی العزۃ فی غیرہ۔ اللہ کی قسم میں حرم سے ہرگز نہیں نکلوں گا تاکہ اس کے علاوہ کسی اور کے پاس عزت تلاش

کروں میں تو اللہ تعالے کے بدلے میں اور کسی چیز کا متمنی نہیں ہوں۔ اب قارئین حضرات جناب عبدالمطلب کے ارادہ اور پختہ عزم کا اندازہ کریں کہ ایک طرف ابرھہ کی تمام مادی قوت اور طاقت ہے۔ اور ایک طرف صرف حضرت عبدالمطلب ہیں مگر حضرت عبدالمطلب فرمارہے ہیں کہ میں ہرگز ہرگز خدا کے حرم کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا میں عزت کا طلبگار صرف اللہ تعالےٰ سے ہوں۔ حضرت عبدالمطلب بلند ہمت اور عمدہ خصائل اور عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے تمام عرب کے سردار بن گئے اور آپ کے چہرے سے نور کی شعائیں نکلتی تھیں اور آپ کے خدوخال سے خیر وبرکت کے آثار نمایاں ہوتے تھے وہ اپنی اولاد کو سرکشی اور ظلم سے منع کرتے تھے اور مکارم اخلاق کو اپنانے کی انہیں ترغیب دیتے تھے اور گھٹیا کاموں سے انہیں روکتے تھے وکان مستجاب الدعوۃ وقد حرم الخمر علیٰ نفسہ وھو اول من تعبد بحراء وکان اذا رای ھلال رمضان صعد الی حراء۔

اور آپ کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی تھی۔ آپ نے اپنے اوپر شراب کو حرام کر دیا تھا وہ پہلے شخص ہیں جو غار حراء میں جاکر مصروف عبادت ہوا کرتے تھے جب ماہ رمضان کا چاند دیکھتے حراء میں تشریف لے جاتے تھے اور آپ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ آپ کے دستر خوان سے پرندوں اور وحشی درندوں کے لیے بھی خوراک مہیا کی جاتی تھی اور آپ کے جسم اطہر سے خالص کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ قریش کو جب قحط کی مصیبت گھیر لیتی تو وہ آپ کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے اور اللہ تعالےٰ ان کی برکت سے موسلا دھار بارش برساتا۔ (ضیاء النبی ص۴۵۶، جلد۱ بحوالہ

بلوغ الارب صہ ۲۸۳)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عبدالمطلب بہت بلند ہمت اور جراءت مند تھے جہاں قدم رکھتے بغیر کسی وجہ کے وہاں سے قدم نہیں اٹھاتے تھے نہ کسی سے ڈرتے۔ اسی وجہ سے امام حسن مجتبٰی نے حضرت معاویہ کے بھیجے ہوئے آدمیوں کو کہا تھا کہ میں تم سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں جیسے حضرت عبدالمطلب کسی سے خوف زدہ نہیں ہوتے تھے اسی طرح میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں مگر انہوں نے بار بار کہا کہ حضرت معاویہ آپ سے یہی عرض کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ ہر صورت میں صلح کریں۔

چنانچہ آخر کار امام حسن نے حضرت معاویہ کے ساتھ چند شرائط کے تحت صلح کر لی۔ چونکہ صلح شرائط کے تحت ہوئی تھی۔ امام حسن نے درج ذیل شرائط مقرر کی تھیں۔

① حضرت معاویہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور خلفاء صالحین کی سیرت کے مطابق اپنی حکومت میں عمل کریں گے۔

② حضرت معاویہ کسی کو بھی اپنا ولی عہد مقرر نہیں کریں گے بلکہ مسلمانوں کے مقرر کردہ ارکان باہمی مشورہ کر کے جس کو چاہیں امیر مقرر کریں۔

③ حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ پر سب وشتم نہیں کیا جائے گا بلکہ آپ کا ذکر خیر اور اچھائی کے ساتھ کیا جائے گا۔

④ تمام لوگ عراق، حجاز، یمن، شام وغیرہ میں محفوظ زندگی گزاریں گے ان پر کوئی زیادتی وغیرہ نہیں ہوگی۔

⑤ اصحاب علی اور آپ کے تابعدار جہاں کہیں ہوں گے ان پر کسی قسم کا

ظلم وستم نہیں کیا جائے گا ان کی جانیں، مال اور اولاد ہر طرح سے محفوظ رہیں گے۔

⑥ امام حسن اور امام حسین اور اہلِ بیت رسول کے ساتھ کسی قسم کی کوئی زیادتی اور نہ ہی ان پر ظلم وستم کیا جائے گا۔

⑦ ہر حق والے کو حق دیا جائے گا۔

⑧ حضرت معاویہ کی حکومت امام حسن مجتبٰی کے تمام قرضوں کی ادائیگی کرے گی۔

⑨ اور کوفہ کے بیت المال (خزانہ) میں جو مال ہے وہ امام حسن کو دیا جائے گا۔

⑩ دارابجرد کا جو خراج ہوگا وہ بھی امام حسن مجتبٰی کو دیا جائے گا۔

⑪ باشندگان مدینہ منورہ، حجاز، اور عراق سے مزید کوئی ٹیکس وغیرہ نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ سے جو دستور چلا آ رہا ہے وہ برقرار رہے گا۔

امام حسن مجتبٰی نے ان شرائط مذکورہ بالا کے تحت حضرت معاویہ کے ساتھ مصالحت کی مگر حضرت معاویہ نے شرائط کو پورا نہ کیا۔ چنانچہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ امام حسن نے یہ مذکورہ شرائط حضرت معاویہ کے پاس بھیج دیے تو حضرت معاویہ نے پہلے ہی ایک سادہ کاغذ پر اپنی مُہر لگائی اور سادہ کاغذ امام حسن کے پاس بھیج دیا اور کہا کہ اس کاغذ پر جو شرطیں آپ چاہتے ہیں وہ لکھ دیں۔ مجھے سب منظور ہیں۔ امام حسن کو جب مہر والا کاغذ پہنچا تو امام حسن نے جو حضرت معاویہ کو پہلے شرطیں لکھی تھیں ان میں چند شرائط کا اضافہ کر دیا اور یہ مہر والا کاغذ امام حسن نے اپنے پاس

رکھ لیا اور حضرت معاویہ نے امام حسن مجتبیٰ کا پہلا خط اپنے پاس رکھ لیا جب امام حسن اور حضرت معاویہ کی ملاقات ہوئی تو امام حسن نے حضرت معاویہ کو کہا کہ تم ان شرائط کو پورا کرو جس پر تم نے مہر لگائی ہے۔ حضرت معاویہ نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ان شرائط کو منظور کرتا ہوں جو آپ نے پہلے خط میں لکھے تھے۔ امام حسن نے فرمایا آپ وہ شرائط تسلیم کریں جن شرائط کے ماننے کا معاہدہ کیا ہے جن پر مہر لگائی ہے۔ غرضیکہ اس معاملہ میں اختلاف ہو گیا اور حضرت معاویہ نے امام حسن کی کسی شرط کو بھی پورا نہ کیا۔

(تاریخ طبری ص۲۸۔ ج ۴)

ابن جریر کی کلام سے ثابت ہوا کہ امام حسن نے جو صلح کی تھی وہ صلح مشروط تھی مگر حضرت معاویہ نے کسی شرط کو بھی پورا نہ کیا۔ البتہ امام حسن نے صلح کے شرائط میں حضرت معاویہ کے اختلاف کرنے اور صلح کے شرائط کو پورا نہ کرنے کے باوجود صلح کر لی اور صلح کو اپنی طرف سے برقرار رکھا اور صلح کے خلاف کوئی بات تک نہ کی جس کی وجہ امام حسن مجتبیٰ نے خود یہ بیان فرمائی کہ اگر میں صلح نہ کرتا تو قتل، خونریزی اور فساد ہوتا جس کو میں ناپسند کرتا تھا نیز شامی لوگ یہ کہتے کہ ہم تو صلح کرنا چاہتے تھے مگر رسول پاک کے بیٹے نے صلح نہیں کی۔

امام حسن مجتبیٰ نے فرمایا میں صرف صلح اُمت کی اصلاح اور اُمت کو قتل و خون ریزی سے بچانے اور اللہ تعالےٰ کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے کی ہے۔

لقد کان الحسن فی صلحہ مع معاویۃ مصیب، بارٌ راشد، ممدوح ولیس یجد فی نفسہ حرجاً۔

امام حسن نے جو حضرت معاویہ سے صلح کی اس میں امام حسن حق پر تھے۔ آپ راست باز، راست رو اور ممدوح تھے آپ اپنے دل میں کوئی تنگی اور ملامت اور ندامت محسوس نہ کرتے تھے بلکہ آپ اس سے راضی اور خوش تھے اور جب ابو عامر سفیان بن لیل نے امام حسن کو صلح کرنے پر عار دلائی تو آپ نے ابو عامر کو کہا ولکنی کرھت ان اقتلھم علی الملک کہ میں نے بادشاہت اور دنیا کے لیے لڑنا پسند نہیں کیا۔ لہٰذا میں نے صلح کر لی ہے اور امام حسن نے صلح کے ذریعے اُمت کے خون کو رائیگاں بہنے سے بچا لیا ہے جیسے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں آپ کی مدح کی ہے جیسے کہ پہلے صحیح حدیث میں بیان ہو چکا ہے۔

(خامس الخلفاء الراشدین صفحہ ۳۷ البدایہ والنہایہ جلد ۸)

امام حسن مجتبیٰ نے حضرت معاویہ کے ساتھ صلح محض اس بنا پر کی کہ اُمت مسلمہ قتل وخون ریزی سے بچ جائے اور بقول ابن جریر حضرت معاویہ نے صلح کی کسی شرط کو پورا نہیں کیا بلکہ آپ کی حکومت کے گورنروں اور حاکموں نے صلح کے تمام شرائط کی دھجیاں بکھیر دیں اور ان شرائط کی سخت خلاف ورزی کی۔ ان میں سے کچھ شرائط کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو پورا نہیں کیا گیا۔ ان شرائط میں سے دوسری شرط یہ تھی کہ حضرت معاویہ کسی کو بھی اپنا ولی عہد مقرر نہیں کریں گے۔ مگر حضرت معاویہ نے اپنے نالائق بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔

چنانچہ خلافت وملوکیت میں ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور یزید کی ولی عہدی کے لیے خوف وطمع کے ذرائع سے لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دی۔ یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتداء

مغیرہ بن شعبہ کی طرف سے ہوئی۔ جب حضرت معاویہ نے انہیں کوفے کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ کیا اور مغیرہ بن شعبہ کو اس کی خبر ہوگئی فوراً کوفہ سے دمشق پہنچے اور یزید سے مل کر کہا کہ صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیرالمؤمنین تمہارے لیے بیعت لینے میں تامل کیوں کر رہے ہیں۔ یزید نے اس بات کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو تم نے یزید سے کہی ہے۔ حضرت مغیرہ نے جواب دیا امیرالمؤمنین آپ دیکھ چکے ہیں کہ قتل عثمان کے بعد کیسے کیسے اختلافات اور خون خرابے ہوئے، اب بہتر یہ ہے کہ آپ یزید کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر کے بیعت لے لیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہ ہو۔

حضرت معاویہ نے پوچھا اس کام کو پورا کر دینے کی ذمہ داری کون لے گا انہوں نے کہا کہ اہل کوفہ کو میں سنبھال لوں گا اور اہل بصرہ کو زیاد، اس کے بعد اور کوئی مخالفت کرنے والا نہیں ہے۔ یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو تیس ہزار درہم دے کر اس بات پر راضی کیا کہ وہ وفد کی صورت میں حضرت معاویہ کے پاس جائیں اور یزید کی ولی عہدی کے لیے ان سے کہیں یہ وفد حضرت مغیرہ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پورا کر دیا پھر حضرت معاویہ نے بصرے کے گورنر زیاد (ابن سمیہ) کو لکھا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے اس نے کہا کہ آپ ابھی جلدی نہ کریں۔ زیاد ۵۳ھ میں مر گیا۔

اس کے مرنے کے بعد حضرت معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کر لیا اور با اثر لوگوں کی رائے ہموار کرنے کی کوشش شروع کر دی اور مدینہ

منورہ کے گورنر مروان بن الحکم کو لکھا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں اپنا جانشین بنا لوں اور میں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین اور ولی عہد مقرر کر لیا ہے۔

مروان بن حکم نے اہل مدینہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا کہ حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے اور یہ اچھا کیا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق نے اپنے جانشین مقرر کیے تھے اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر المتوفی ۵۸ھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم لوگوں نے ہرگز امت محمدیہ کی بھلائی نہیں سوچی ہے تم اسے قیصریت بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مرے تو اس کی جگہ اس کا بیٹا آ گیا۔ یہ سنت ابوبکر، و عمر کی نہیں ہے انہوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا۔ مروان نے کہا پکڑو اس شخص کو یہی ہے وہ جس کے متعلق قرآن میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

والذی قال لوالدیہ اف لکما (سورہ الاحقاف)

حضرت عبدالرحمٰن نے بھاگ کر حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں پناہ لی۔ حضرت عائشہ صدیقہ صبح اٹھیں تو فرمایا کہ جھوٹ کہا مروان نے ہمارے خاندان کے کسی فرد کے بارے میں یہ آیت نہیں آئی ہے بلکہ ایک اور شخص کے بارے میں آئی ہے جس کا نام میں چاہوں تو بتا سکتی ہوں البتہ مروان کے باپ حکم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی تھی۔ جبکہ مروان ابھی اس کی صلب (پشت) میں تھا۔

نیز حضرت معاویہ نے مختلف علاقوں سے وفد طلب کیے اور ان کو کہا کہ میں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے۔ عراق، شام اور

دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت معاویہ خود حجاز تشریف لے گئے کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا اور دنیائے اسلام کی وہ بااثر شخصیتیں جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں اور مدینہ منورہ کے باہر امام حسین، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر ان سے ملے حضرت معاویہ نے ان سے ایسا درشت اور سخت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکہ مکرمہ چلے گئے پھر حضرت معاویہ نے مکے کا رُخ کیا اور ان چاروں اصحاب کو خود شہر کے باہر بُلا کر ان سے ملے اور انہیں یزید کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔ مگر عبداللہ بن زبیر نے جواب میں کہا کہ آپ تین کاموں میں سے ایک کام کیجیے یا تو رسول اللہ کی طرح کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایئے لوگ خود اسی طرح کسی کو اپنا خلیفہ بنالیں گے جس طرح انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کو بنایا تھا یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجیے جو حضرت ابوبکر نے کیا کہ اپنی جانشینی کے لیے حضرت عمر فاروق جیسے شخص کو خلیفہ مقرر کیا جن سے ان کا کوئی دور پرے کا رشتہ بھی نہیں تھا یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجیے جو حضرت عمر فاروق نے کیا کہ چھ آدمیوں کی شوریٰ تجویز کی اور اس میں ان کی اولاد میں سے کوئی شامل نہ تھا۔

حضرت معاویہ نے باقی حضرات سے پوچھا کہ آپ لوگ کیا کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن زبیر نے کہا ہے اس پر حضرت معاویہ نے کہا اب تک میں تم لوگوں سے درگذر کرتا رہا ہوں اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی۔ تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہو گی پھر حضرت معاویہ نے اپنے

باڈی گارڈ کے افسر کو بلایا اور حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ان میں سے جو میری بات کی تردید میں زبان کھولے اس کا سر قلم کر دے اس کے بعد وہ انہیں لیے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ ہیں جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انہوں نے بیعت کر لی ہے لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔ اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا۔ اہلِ مکہ نے بھی بیعت کر لی۔

(خلافت و ملوکیت صہ ۱۴۸ بحوالہ ابن اثیر صہ ۲۵۲ ج ۳)

ابن جریر لکھتے ہیں کہ ۶۰ھ میں حضرت معاویہ کو مرض موت لاحق ہوا آپ نے اپنے بیٹے یزید کو بلایا اور اس کو کہا کہ میں نے تمہارے لیے ہر مشکل کام کو آسان کر دیا ہے تیرے دشمنوں کو میں نے تیرے تابع کر دیا ہے۔ تیرے لیے عرب کی گردنوں کو میں نے جھکا دیا ہے۔ تیرے لیے میں نے جو کچھ جمع کیا ہے وہ کسی نے نہ کیا امر حکومت تیرے لیے ثابت کر دیا ہے اور حضرت معاویہ کی وفات ۲۲ رجب ۶۰ھ کو دمشق میں ہوئی اور مدت حکومت انیس سال تین ماہ تھی۔ حضرت معاویہ کی عمر پچھتر سال تھی اور ان کی نماز جنازہ ضحاک بن قیس فہدی نے پڑھائی۔

(تاریخ طبری صہ ۱۵۴ جلد ۴)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی پر تمام باشندگان مملکت شام سے بیعت لی آپ ہی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے اپنی صحت مندانہ زندگی میں اپنے فرزند یزید کو ولی عہد بنانے کی رسم بحصول بیعت جاری کی اور ساتھ ہی حاکم مدینہ منورہ مروان بن

حکم کو لکھا کہ تم مدینہ میں یزید کی ولی عہدی کی لوگوں سے بیعت لو۔ چنانچہ مروان نے مدینہ منورہ بدوران خطبہ اعلان کیا کہ حضرت معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کے فرزند یزید کے لیے سنت ابوبکر و عمر کی مانند بیعت لے لوں۔ اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے فوراً کھڑے ہو کر کہا کہ سنت ابوبکر و عمر پر نہیں بلکہ قیصر و کسریٰ کے طریقہ کے مطابق ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمر فاروق نے کبھی بھی اپنی اولاد کے لیے کسی سے بیعت نہیں لی اور حضرت معاویہ نے جب حج کیا تو اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینا شروع کی تو حضرت معاویہ نے عبداللہ بن عمر سے یزید کی بیعت کے بارے میں گفتگو کی تو عبداللہ بن عمر نے کہا کہ پہلے خلفاء نے اپنے بیٹوں کے لیے وہ نہیں کیا جو آپ اپنے بیٹے یزید کے لیے کر رہے ہیں۔ انہوں نے خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں پر چھوڑا اور اس زمانہ کے مسلمانوں نے اپنے حق خود اختیاری کے پیش نظر اپنے لیے خلیفہ کا انتخاب کیا پھر حضرت معاویہ نے حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر سے یزید کی بیعت کے لیے بات کی تو عبدالرحمان بن ابوبکر نے کہا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ تمام مسلمان مجلس شوریٰ میں کسی بات پر متفق ہو جائیں اور اتفاق سے امیر کا انتخاب کر لیں۔

(تاریخ الخلفاء صہ ۱۶۸)

صلح کی شرائط میں سے یہ شرط تھی کہ حضرت معاویہ کسی کو اپنا ولی عہد مقرر نہیں کریں گے بلکہ مسلمان اتفاق رائے سے امیر اور خلیفہ کا انتخاب کریں گے مگر حضرت معاویہ نے اس کے برعکس اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا اور اپنی صحت مندانہ زندگی میں اس کے لیے بالجبر مسلمانوں سے بیعت لی۔ صلح کے شرائط میں تیسری شرط یہ تھی کہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ

کوسب وشتم نہیں کیا جائے گا۔ جب کوئی آپ کا ذکر کرے تو اچھائی اور خیر کے ساتھ کرے۔

چنانچہ جن محدثین اور مؤرخین نے صلح کے شرائط ذکر کیے ہیں ان میں سے علامہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں کہ صلح کے شرائط میں سے یہ شرط بھی تھی ولا یشتم علیاً کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کوئی سب وشتم نہ کرے۔

(ابن خلدون صد ۱۸٦ ج ۲)

حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں کہ صلح کے شرائط میں سے یہ شرط بھی تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گالی نہیں دی جائے گی۔ (البدایہ والنہایہ۔ صد ۴۲٦، جلد ۸) ابن جریر المتوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں کہ امام حسن نے حضرت معاویہ سے جو صلح کی شرطیں رکھی تھیں ان میں یہ شرط بھی تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کوئی سب وشتم نہ کرے۔ (تاریخ طبری صد ۲۷ ج ۴)

حضرت معاویہ نے اس شرط کو بھی پورا نہ کیا بلکہ اموی حکومت کے حاکموں اور گورنروں نے دل کھول کر حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کو سب وشتم کیا۔ چنانچہ "خلافت وملوکیت" میں ہے کہ ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علی کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے

آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔ عمر بن عبد العزیز نے آکر اپنے خاندان کی دوسری روایات کی طرح اس روایت کو بھی بدلا اور خطبہ جمعہ میں سب علی کی جگہ یہ آیت پڑھنا شروع کر دی۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ (خلافت وملوکیت صہ ۱۷۴)

علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ بنو امیہ دوران خطبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گالیاں دیا کرتے تھے (تاریخ الخلفاء صہ ۲۴۳)

محقق ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ ایک اور واقعہ جس نے آراء وافکار اسلامی پر گہرا اثر ڈالا وہ امیر معاویہ کی وہ سنت تھی جس کی رو سے سیف اسلام حضرت علی شیر خدا کے خلاف دشنام طرازی اور سب وشتم کا سلسلہ جاری ہوا۔ اس حرکت نے مسلمانوں کے دلوں کو امویوں کے خلاف برہمی اور نفرت سے معمور کر دیا اس لیے کہ مسلمان اچھی طرح جانتے تھے کہ علی پر لعنت منافق ہی بھیج سکتا ہے۔ حضرت علی کی خدمات اور کارنامے اتنے لازوال تھے جو قلب مسلم میں جاگزین تھے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ گو حالات کے لحاظ سے زبانیں امویوں کے ساتھ تھیں لیکن دل ان سے نفرت کرتے تھے۔ لوگ ایسے امام برحق پر لعنت کیونکر بھیج سکتے تھے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا لا یحبک الا مومن و لا یبغضک الا منافق۔ اے علی تجھ سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہو اور وہی بغض کرے گا جو منافق ہو۔ (امام جعفر صادق صہ ۱۸۹)

ابن جریر لکھتے ہیں کہ حجر بن عدی اور آپ کے ساتھیوں کو جب دمشق

لے جایا گیا تو جلادوں نے حجر بن عدی اور آپ کے ساتھیوں کو کہا کہ ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم حضرت علی پر تبرا اور سب وشتم کرو تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے اگر تم یہ نہ کرو گے تو ہم تم کو قتل کر دیں گے، حجر بن عدی اور آپ کے ساتھیوں نے کہا یہ کام تو ہرگز نہیں کر سکتے۔ جب شامی جلادوں نے یہ بات سنی تو اُن کے لیے قبریں کھودنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ قبریں کھودی گئیں اور ان کے لیے کفن لائے گئے اور ان کو قتل کیا گیا۔ (تاریخ طبری ص۱۱۴، جلد۴)

خلافت وملوکیت میں ہے کہ حضرت معاویہ کے زمانہ میں جب زیاد کوفہ کی جامع مسجد میں خطبہ دیتا تو خطبہ میں حضرت علی کو گالیاں دیتا تھا تو حجر بن عدی اٹھ کر اس کو جواب دیتے اور حضرت علی کی تعریف کرتے۔ زیاد نے حجر بن عدی کو جو ایک جلیل القدر صحابی تھے بمعہ ان کے بارہ ساتھیوں کے گرفتار کرکے شام بھیج دیا۔ حضرت معاویہ نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علی کرم اللہ وجہہ سے برأت کا اظہار کرو اور ان پر سب وشتم کرو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حجر بن عدی نے کہا کہ میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب تعالے کو ناراض کرے۔

آخر کار حجر بن عدی اور ان کے سات ساتھی قتل کر دیے گئے۔ ان میں سے ایک صاحب عبدالرحمان بن حسان کو حضرت معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا اور اس کو لکھا کہ انہیں بدترین طریقہ سے قتل کر دو۔ چنانچہ اس نے عبدالرحمان بن حسان کو زندہ دفن کر دیا۔

(خلافت وملوکیت ص۱۶۵ بحوالہ الطبری ص۱۹۸ جلد۴۔ الاستیعاب ص۱۳۵، جلد۱

(ابن الاثیر صد۲۳۴، جلد۳۔ البدایہ والنہایہ صد۵ ج ۸، ابن خلدون صد۳ ج ۳)
ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب مروان بن حکم مدینہ منورہ پر حضرت معاویہ کی طرف سے والی تھا تو ہر جمعہ کو منبر پر حضرت علی کو گالیاں دیا کرتا تھا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸)

صلح کی شرائط میں سے یہ شرط بھی تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کوئی بھی سب وشتم نہیں کرے گا مگر اس شرط کو بھی پورا نہ کیا گیا اور اموی حکومت کے حکمرانوں، گورنروں نے دل اور زبانیں کھول کر منبروں پر بیٹھ کر مولیٰ علی پر سب وشتم کیا۔

صلح کی شرائط میں سے پانچویں شرط یہ تھی کہ اصحاب علی اور آپ کے تابعداروں پر کسی قسم کا تشدد اور ظلم وستم نہیں کیا جائے گا مگر اموی حکومت کے سربراہوں نے اس شرط کی بھی سخت خلاف ورزی کی جو بھی حضرت علی شیرِ خدا کا عقیدت مند اور تابعدار تھا اس پر انتہائی ظلم وستم اور تشدد کیا گیا۔ چنانچہ حجر بن عدی اور آپ کے ساتھیوں کو محض اس بنا پر قتل کیا گیا کہ انہوں نے حاکم کوفہ زیاد کو منع کیا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سب وشتم نہ کرے مگر زیاد نے حجر بن عدی اور آپ کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے دمشق بھیج دیا جہاں ان کو حضرت معاویہ کے زمانہ ۵۱ھ میں قتل کیا گیا۔

حجر بن عدی ایک جلیل القدر اور عابد وزاہد صحابی تھے۔ چنانچہ البدایہ والنہایہ میں ہے کہ ابن عساکر نے کہا کہ حضرت حجر بن عدی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حجر بن عدی اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔

حافظ ابن عبدالبر الاستیعاب میں لکھتے ہیں۔ کان حجر من فضلاء الصحابۃ کہ حجر (بن عدی) صاحب فضیلت صحابہ میں سے تھے پھر وہ امام احمد کے حوالہ سے یحییٰ بن سلیمان کا قول نقل کرتے ہیں کہ حجر بن عدی مستجاب الدعوات اور افاضل صحابہ میں سے تھے اور استیعاب میں یہ بھی ہے کہ ابن نافع سے منقول ہے کہ وہ حضرت حجر کو رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دیتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام حاکم کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت حجر اور ان کے بھائی حضرت ہانی بن عدی نے وفد کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ پھر ابن حجر عسقلانی نے ابوبکر بن حفص کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ حجر بن عدی صحابی تھے اور اسد الغابہ میں ہے کہ حضرت حجر کا لقب حجر الخیر نیکو کار حجر مشہور تھا اور آپ اپنے بھائی کے ساتھ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے اور افاضل صحابہ اور اعیان صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔
امام حاکم نے اپنی کتاب المستدرک جلد ۳ میں صحابہ کے حالات بیان کرتے ہوئے ص۴۶۸ پر ایک باب کا عنوان قائم کیا ہے۔ مناقب حجر بن عدی رضی اللہ عنہ وھو راہب اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے مناقب جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے درویش صفت اور زاہد منش انسان تھے۔

حافظ ذہبی کی تلخیص مستدرک میں بھی یہی عنوان باب موجود ہے اور انہوں نے حاکم کے اس بیان سے اختلاف نہیں کیا (اعتراضات کا تجزیہ ص۲۷)

حافظ ذھبی اپنی کتاب العبر فی خبر غبر الجزاء الاول ۵۱ھ کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں وفیھا قتل بعذراء حجر بن عدی الکندی واصحابہ بامر معاویۃ ولحجر صحبۃ ووفادۃ وجھاد وعبادۃ اسی سال حجر بن عدی اوران کے رفقاء معاویہ کے حکم سے عذراء کے مقام پر قتل ہوئے حجر صحابی ہیں جو ایک وفد میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ایک عبادت گذار بزرگ تھے جنھوں نے جہاد میں بھی شرکت کی۔

علامہ ابن سعد طبقات جلد۶ پر لکھتے ہیں کہ حجر بن عدی نے جاہلیت کے بعد اسلام کا زمانہ پایا اور وہ اپنے بھائی حضرت ہانی بن عدی کے ساتھ بصورت وفد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تھے۔

علامہ خیرالدین زرکلی نے اپنی کتاب الاعلام میں حجر بن عدی کو ایک بہادر صحابی لکھا ہے۔ (خلافت وملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ صد ۳۱۱)۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ حجر بن عدی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور علامہ ابن سعد نے ان کو صحابہ کے چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے۔ (ابن کثیر ج ۸) اور خلافت وملوکیت میں ہے کہ حجر بن عدی ایک زاہد و عابد صحابی تھے اور صلحائے امت میں ایک اونچے مرتبے کے شخص تھے۔ حضرت معاویہ کے زمانے میں جب منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علی پر سب وشتم کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہو رہے تھے مگر لوگ خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہو جاتے تھے۔ کوفہ میں حجر بن عدی سے صبر نہ ہو سکا۔

اور انہوں نے جواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تعریف شروع کر دی اور جب زیاد کوفے کا گورنر مقرر ہوا اس کے اور حجر بن عدی کے درمیان زیادہ کشمکش شروع ہوگئی۔ زیاد خطبے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو گالیاں دیتا تھا اور حجر بن عدی اُٹھ کر اس کا جواب دینے لگتے تھے اسی دوران میں ایک مرتبہ انہوں نے نماز جمعہ میں تاخیر پر بھی زیاد کو ٹوکا۔ آخر کار اس نے حجر بن عدی اور آپ کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے خلاف بہت سے لوگوں کی شہادتیں اس فرد جرم پر لیں کہ انہوں نے ایک جتھا بنا لیا ہے جو خلیفہ (حضرت معاویہ) کو گالیاں دیتے ہیں۔ امیر المومنین (حضرت معاویہ) کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ خلافت آل ابی طالب کے سوا کسی کے لیے درست نہیں ہے۔ انہوں نے شہر میں فساد برپا کیا ہے اور امیر المومنین (حضرت معاویہ) کے عامل کو نکال باہر کیا ہے یہ ابوتراب (حضرت علی) کی حمایت کرتے ہیں ان پر رحمت بھیجتے ہیں اور ان کے مخالفین سے اظہار براءت کرتے ہیں۔

زیاد نے حجر بن عدی اور آپ کے ساتھیوں کو حضرت معاویہ کے پاس بھیج دیا انہوں نے ان کے قتل کا حکم دے دیا قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علی (کرم اللہ وجہہ) سے برائت کا اظہار کرو اور ان پر سب وشتم کرو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کر دیا جائے ان لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور حجر بن عدی نے کہا کہ میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے۔ آخر کار حجر بن عدی اور ان کے سات ساتھی قتل کر دیے گئے۔ ان میں سے ایک صاحب عبدالرحمان بن حسان کو حضرت معاویہ نے

زیاد کے پاس واپس بھیج دیا۔ اس کو لکھا کہ انہیں بدترین طریقہ سے قتل کرو۔ چنانچہ اس نے انہیں زندہ دفن کر دیا۔

(خلافت وملوکیت صہ۱۶۴)

حجر بن عدی کے قتل پر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور دیگر صحابہ کرام نے سخت اظہار افسوس کیا۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب حجر بن عدی کے قتل کی اطلاع مل گئی تو امام حسین علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہے اور کیا انہیں بیڑیوں اور بندشوں ہی میں دفن کیا گیا ہے۔ جواب ملا کہ ہاں تو حضرت امام حسین نے فرمایا خدا کی قسم ان کی حجت قاتلین پر قائم ہوگئی۔

(البدایہ والنہایہ صہ۵۳ ج ۸)

غرضیکہ صلح کے شرائط میں سے پانچویں شرط یہ تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب اور عقیدت مندوں اور تابع داروں پر ظلم وتشدد نہیں کیا جائیگا یہ محفوظ رہیں گے مگر اموی حکمرانوں اور گورنروں نے اس شرط کی بھی خلاف ورزی کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عقیدت مندوں اور ماننے والوں پر جھوٹے مقدمے قائم کیے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے ان کا مال لوٹا ان کے مکانات منہدم کیے اور ان کو قتل، اور زندہ درگور کیا۔ اور چھٹی شرط یہ تھی کہ امام حسن مجتبیٰ اور امام حسین اور رسول پاک کی آل، اولاد میں سے کسی کو اذیت اور تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی مگر اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے امویوں نے امام حسن کو زہر دلوایا اور مسلم بن عقیل کو دھوکہ اور فریب کاری سے شہید کیا جس نے ان کی حمایت کی اس کو بھی قتل کیا گیا۔ جیسے کہ ہانی بن عروہ نے امام مسلم کا ساتھ دیا۔ ان کو امام مسلم کے ساتھ شہید کیا گیا اور امام زین العابدین کی ہتک و توہین کی گئی اور امام

حسین علیہ السلام اور آپ کے اعزہ واقارب کو کربلا میں بھوکا پیاسا شہید کیا گیا، اور خواتین خاندان نبوت، کو ننگے منہ قیدی بنا کر کوفہ دمشق کے بازاروں میں پھرایا گیا۔ امام زین العابدین کے پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق اور ہاتھوں میں بھاری زنجیریں ڈال کر ننگے اونٹوں پر سوار کر کے دمشق لے جایا گیا۔

ساتویں شرط تھی کہ ہر حق والے کو حق دیا جائے گا مگر امام حسن اور امام حسین اور ان کی اولاد میں سے کسی کو اس کی حق ادائیگی نہیں کی گئی بلکہ اس کے برعکس ان پر ظلم و تشدد کیا گیا۔

اور دسویں شرط یہ تھی کہ دارا بجرد کا خراج امام حسن علیہ السلام کو دیا جائیگا مگر اس شرط کو بھی پورا نہ کیا گیا۔ حضرت معاویہ نے اہل بصرہ کو کہا کہ یہ خراج دارا بجرد) امام حسن کو نہ دیا جائے۔ چنانچہ امام حسن کو نہ دیا گیا۔ ابن اثیر لکھتے ہیں وکان منعھم یعنی منع اھل البصرۃ بامر من معاویۃ ایضاً (ابن اثیر ص۱۶۲ ج ۳) قال الطبری وحال اھل البصرۃ بین الحسن وبین خراج دارا بجرد وقال ابن الاثیر وکان منعھم یعنی منع اھل البصرۃ بامر من معاویۃ ایضاً (صلح الحسن ص۳۱۳)

کہ اہل بصرہ نے یہ خراج حضرت امام حسن کو نہ لینے دیا کیونکہ حضرت معاویہ نے اس کو منع کر دیا تھا۔ آٹھ ۹۔ ۱۱ شرائط کو بھی پورا نہ کیا گیا اور پہلی شرط میں تھا کہ حضرت معاویہ اپنی حکومت میں خلفاء صالحین کے مطابق عمل کریں گے مگر خلفاء صالحین کے مطابق بھی عمل نہ کیا گیا بہر صورت ابن جریر کے قول کے مطابق صلح مشروط تھی۔ امام حسن نے جو شرائط رکھی تھیں ان میں سے کوئی شرط بھی حضرت معاویہ نے پوری نہ کی۔

حضرت معاویہ نے جب بار بار امام حسن کی خدمت میں صلح کے لیے عرض کیا تو آپ نے صلح کے لیے اپنی رضا مندی ظاہر کر دی تو حضرت معاویہ نے ایک صاف خط جس میں صرف اپنی مہر لگائی۔ یہ امام حسن کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا جو آپ چاہیں وہ اس پر شرائط صلح لکھ دیں مجھے منظور ہے امام حسن نے صلح کے شرائط لکھ دیے مگر ان شرائط کے بارے میں حضرت معاویہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ مجھے یہ منظور نہیں ہیں۔ امام حسن نے اس اختلاف کے باوجود صلح کر لی اور صلح کے بعد حضرت معاویہ نے کسی شرط کو بھی پورا نہ کیا۔ حضرت معاویہ کا شرائط میں اختلاف اور شرائط کو پورا نہ کرنے کے باوجود امام حسن نے اپنی طرف سے صلح کو برقرار رکھا اور صلح کے بارے میں کبھی اختلافی بات نہیں کی۔ آپ صلح پر راضی رہے۔ صلح کے بعد حضرت معاویہ کے ساتھ کسی قسم کی حکومت کے بارے میں کوئی بات نہیں کی اپنی باقی زندگی مدینہ منورہ میں خاموشی کے ساتھ گذار دی اور کوئی صلح کے متعلق گفتگو کرتا تو فرمایا کرتے تھے کہ میں نے صلح اللہ تعالےٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کے لیے کی ہے نیز مسلمانوں کے خون کے تحفظ کے لیے کی ہے میں دنیاوی بادشاہت کے لیے لڑائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اُمت کی اصلاح اور اُمت کو قتل و خونریزی سے بچانے کے لیے صلح کی ہے۔ امام حسن نے فرمایا۔ ورائینا ان حقن دماء المسلمین خیر من اھراقھا کہ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے خون کی حفاظت ان کے خون بہانے سے بہتر ہے۔ (حلیم آل بیت صـ۱۸۰)

اور امام حسن نے یہ بھی فرمایا۔

وان معاویۃ نازعنی حقا ھولی دونہ فنظرت لصلاح

الامۃ و قطع الفتنۃ۔
اور حضرت معاویہ میرے ساتھ جھگڑا کیا ہے حالانکہ یہ میرا حق ہے۔ حضرت معاویہ کا نہیں ہے میں نے امت کی اصلاح اور فتنہ کے خاتمہ کے لیے اپنے حق کو چھوڑا ہے۔ (حلیم آل بیت صہ ۱۸۶) اگر امام حسن صلح نہ کرتے تو مسلمان باہمی جنگ کرتے۔ خون ریزی اور فساد ہوتا امام حسن نے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے حضرت معاویہ سے صلح کرلی۔ چنانچہ ایک آدمی نے امام حسن کے ساتھ جب صلح کے خلاف گفتگو کی تو آپ نے فرمایا۔

ولکنی کرھت ان اقتلھم علی الملک۔
کہ میں ملک اور حکومت کے لیے کسی سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

(حلیم آل بیت صہ ۱۸۸)

اور امام حسن نے فرمایا قد کانت جماجم العرب فی یدی یحاربون من حاربت ویسالمون من سالمت فترکتھا ابتغاء وجہ اللہ وحقن دماء امۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ عرب میرے ہاتھ میں تھے (یعنی تابع تھے) جس سے میں لڑائی کرتا وہ لڑائی کرتے اور جس سے میں صلح کرتا وہ صلح کرتے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور امت محمدیہ کے خون کے تحفظ کے لیے خلافت کو چھوڑ دیا ہے۔

(حلیم آل بیت صہ ۲۰۶)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام مسلمانوں کے خون کی حفاظت کے لیے خلافت سے دستبردار ہوئے۔

(البدایہ والنہایہ صہ ۲۸۵ ج ۸)

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ جب ایک آدمی نے امام حسن کو کہا کہ آپ نے

جو صلح حضرت معاویہ سے کی ہے وہ مسلمانوں کے لیے باعث عار و ندامت ہے تو آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے لیے باعث عار و ندامت نہیں ہے بلکہ واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے تم مسلمانوں کو صرف ملک اور حکومت کی خاطر جنگ کے شعلوں میں جھونکنا پسند نہیں کیا۔

نیز تاریخ الخلفاء میں ہے کہ یہ صلح نامہ دراصل معجزہ نبوی تھا جیسے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا یہ میرا بیٹا سید ہے اور مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا اور امام حسن علیہ السلام نے فرمایا اس وقت میں نے صرف اللہ تعالےٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے خلافت کو چھوڑا ہے اور اُمت محمدیہ کے خون کو رائیگاں نہیں کیا۔

(تاریخ الخلفاء صد ۱۹۳)

امام حسن نے صلح کے بعد کوفہ کے اجتماع میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

وان معاویۃ زعم انی رایتہ للخلافتہ اھلا ولم ار نفسی لھا اھلا فکذب معاویۃ نحن اولی الناس بالناس فی کتاب اللہ عزوجل وعلیٰ لسان نبیہ۔

کہ حضرت معاویہ خیال کرتے ہیں کہ میں ان کو خلافت کے لیے اہل سمجھتا ہوں اور اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا۔ یہ حضرت معاویہ کا خیال غلط ہے ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق خلافت کے اہل اور مستحق ہیں۔ (صلح الحسن صد ۲۷۱)

امام حسن علیہ السلام کے خطاب اور کلام سے ظاہر ہے کہ امام حسن ہی خلافت کے مستحق اور اہل تھے مگر آپ نے خلافت کو ترک کر دیا اور

حکومت حضرت معاویہ کے سپرد کردی اگر آپ حضرت معاویہ سے صلح کا معاہدہ نہ کرتے تو حضرت معاویہ آپ سے جنگ کرتے۔ مسلمانوں میں خونریزی اور فساد ہوتا اس خوں ریزی اور فساد سے بچنے کے لیے امام حسن نے حضرت معاویہ سے صلح کر لی تاکہ مسلمانوں کا خون رائیگاں نہ بہے۔

حضرت علی بن مدینی نے بیان کیا ہے کہ امام حسن نے سنہ ۴۱ھ میں حکومت حضرت معاویہ کے سپرد کی ———————————— اور اس موقعہ پر حضرت معاویہ کوفہ آئے اور لوگوں سے حضرت معاویہ نے خطاب کیا۔ عمرو بن عاص نے حضرت معاویہ کو مشورہ دیا کہ وہ امام حسن بن علی کو عرض کریں کہ وہ بھی لوگوں سے خطاب کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ وہ حضرت معاویہ کے لیے خلافت سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ حضرت معاویہ نے امام حسن کو عرض کیا تو امام حسن نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی اور اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کے بعد فرمایا اے لوگو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو ہمارے پہلے شخص کے ذریعے ہدایت دی ہے اور ہمارے آخری شخص کے ذریعے تمہارے خون کو رائیگاں بہنے سے بچایا ہے اور بلاشبہ اس چیز کے لیے ایک مدت ہے اور دنیا گردش میں ہے اور اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے۔

وَاِنْ اَدْرِیْ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ۔

اور میں کیا جانوں کہ پاس ہے یا دور ہے وہ جو تمہیں دیا جاتا ہے۔ بے شک اللہ جانتا ہے آواز کی بات اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور میں

کیا جانوں شاید وہ تمہارے یلیے فتنہ ہو اور ایک مُدت تک برتوانا (یعنی نفع اٹھانا) ہو جب آپ، نے یہ بات کہی تو حضرت معاویہ کو غصہ آگیا اور حضرت معاویہ۔ نے امام حسن کو بیٹھنے کے یلیے کہا اور عمرو بن عاص پر اس مشورہ دینے کی وجہ سے غصہ کیا اور اس بات کی وجہ سے ہمیشہ حضرت معاویہ کے دل میں ناراضگی رہی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد لوگوں نے امام حسن کی بیعت کی۔

صالح بن احمد نے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ کو بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی نوّے ہزار لوگوں نے بیعت کی اور آپ نے خلافت کو چھوڑ کر صلح کر لی اور آپ کے زمانہ میں ایک قطرہ خون کا بھی نہ گرا اور امام حسن نے فرمایا میں نے اللہ تعالےٰ کی رضا کے یلیے خلافت کو چھوڑ دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ صہ۹۵، جلد ۸)

اس سے ظاہر ہے کہ امام حسن نے صلح محض اللہ تعالےٰ کی رضا اور مسلمانوں کے خون کے تحفظ کے یلیے کی تھی۔ بعض لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں خلش پیدا ہوتی ہے کہ شاید امام حسن نے صلح شامیوں سے اس یلیے کی ہو کہ آپ کے پاس فوجی طاقت کم ہو یہ خلش بالکل غلط ہے کیونکہ آپ کے پاس جو فوج تھی وہ نہایت طاقت ور اور مضبوط تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد امام حسن کی بیعت ماہ رمضان ۴۰ھ میں ہوئی تھی آپ حجاز، یمن، عراق اور ان علاقوں کے خلیفہ برحق مقرر ہوئے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زیر فرمان تھے۔ یہ تمام لوگ آپ کی فوج میں شامل تھے۔

امام بخاری نے کتاب الصلح میں حسن بصری سے روایت بیان کی ہے

کہ خدا کی قسم کہ امام حسن بن علی نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان کا ایسی فوجوں کے ساتھ سامنا کیا جو پہاڑوں کی مانند تھیں اور عمرو بن عاص نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ فوجیں اپنے مدمقابل لوگوں کو قتل کیے بغیر واپس نہیں جائیں گی۔ عمرو بن عاص کی یہ بات سن کر حضرت معاویہ نے قریش میں بنو عبدشمس میں سے دو آدمیوں عبدالرحمٰن بن سمرہ المتوفی ۱۵۱ھ اور عبداللہ بن عامر بن کریز کو کہا کہ تم امام حسن بن علی کے پاس جاکر ان سے صلح کے بارے میں بات کرو۔ یہ دونوں امام حسن کے پاس گئے آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا ہم عبدالمطلب کے بیٹے ہیں ہم ڈرنے والے نہیں ہیں ہم کیسے صلح کریں مگر ان دونوں آدمیوں نے کہا کہ حضرت معاویہ آپ سے صلح کی درخواست ہی کرتے ہیں۔

آخرکار حضرت معاویہ کے بار بار کہنے پر امام حسن نے صلح کر لی اس سے بھی ظاہر ہے کہ امام حسن کا فوجی طاقت کے لحاظ سے پلہ بھاری تھا صلح صرف اُمت کی اصلاح اور اللہ تعالٰے کی رضا کے لیے کی تھی۔ امام حسن کی فوجی طاقت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے جبکہ ابن حضرمی نے آپ کو کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ خلافت کے خواہشمند ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں نے کبھی بھی خلافت کی خواہش نہیں کی جبکہ عرب میرے تابع تھے جس سے میں صلح کرتا وہ بھی صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا وہ بھی جنگ کرتے میں نے اللہ تعالٰے کی رضا کے لیے خلافت کو چھوڑ دیا ہے۔

(خامس خلفاء الراشدین صہ۳۶۸)

اس سے ظاہر ہے کہ جب عرب آپ کے تابع اور زیر فرمان تھے تو آپ کی فوجی طاقت زبردست تھی۔ صلح آپ نے اُمت مسلمہ کے خون کے

تحفظ اور اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر کی ہے۔

نیز رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سیادت امام حسن کو عطا فرمائی اور متعدد مرتبہ فرمایا کہ میرا بیٹا حسن سید (سردار) ہے۔ جب، امام حسن سردار تھے تو آپ اپنی طاقت کے اعتبار سے اور فوجی قوت کے لحاظ سے مستحکم اور غالب تھے۔ صلح آپ نے امت مسلمہ کی اصلاح کے لیے کی تھی۔ چنانچہ امام حسن نے خود اپنے ایک خطبہ میں صلح کا سبب مسلمانوں کے خون کا تحفظ بیان فرمایا ہے جس کو البدایہ والنہایہ نے ذکر کیا ہے۔

چنانچہ لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ جب کوفہ میں آئے اور امام حسن حضرت معاویہ سے صلح کر چکے تو حضرت معاویہ کے دوستوں نے حضرت معاویہ کو کہا کہ حضرت امام حسن بن علی کو کہیں کہ وہ تقریر کریں آپ نوعمر ہیں اور بات کرنے سے عاجز ہیں، شاید وہ پس وپیش کریں اور لوگوں کے دل میں ان کی قدر کم ہو جائے۔ حضرت معاویہ نے امام حسن کی خدمت میں تقریر کرنے کے لیے عرض کیا اور امام حسن کھڑے ہوئے آپ نے اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا اور نبی کریم اور آپ کی آل پر درود پڑھنے کے بعد کہا۔

من عرضی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا الحسن بن رسول اللہ انا ابن البشیر النذیر انا ابن المصطفےٰ بالرسالۃ انا ابن من صلت علیہ الملائکۃ، انا ابن من شرف بہ الامۃ انا ابن من کان جبریل السفیر من اللہ الیہ انا ابن من بعث رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجمعین)

پھر فرمایا میرے اور میرے بھائی (حسین) کے سوا کوئی نہیں ہے جس کا

نانا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو، ہم نے حضرت معاویہ سے صلح کر لی ہے ہم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے خون کو محفوظ اس کے سوا نہیں کیا جا سکتا اور قسم بخدا مجھے معلوم نہیں شاید یہ تمہارے لیے فتنہ ہو اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانے کی چیز ہو اور آپ نے حضرت معاویہ کی طرف اشارہ کیا پس حضرت معاویہ کو اس بات سے غصہ آگیا، حضرت معاویہ نے کہا اے امام حسن اس سے آپ کی مراد کیا ہے امام حسن نے فرمایا اس سے میری مراد وہی ہے جو اللہ تعالےٰ کی مراد ہے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸)

اب اس سے ظاہر ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے صلح محض مسلمانوں کے خون کے تحفظ اور اللہ کی رضا کے لیے کی ہے۔ اگر آپ صلح نہ کرتے جنگ ہوتی فتح اگرچہ امام حسن کے حصہ میں آتی مگر مسلمانوں کا خون بہتا مسلمانوں کے خون کو محفوظ رکھنے کے لیے ہی امام حسن نے صلح کی جہاں تک حق کا تعلق ہے وہ تمام امام حسنؓ کی طرف تھا۔ آپ اپنی خلافت میں خلیفہ برحق تھے اور آپ خلفاء راشدین میں سے پانچویں خلیفہ تھے۔ خلفاء راشدین میں سے امام حسن کی خلافت راشدہ کو یہ امتیازی خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کی خلافت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص سے ثابت ہے صرف آپ کی خلافت پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نص فرمائی ہے۔
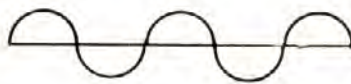
باب چہارم

امام حسن مجتبیٰ کی وفات

اور

بنو فاطمہ کا رسول پاک کی حقیقی اولاد ہونے کے بیان میں

امام حسن مجتبیٰ کی وفات کے متعلق حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عمیر بن اسحاق نے بیان کیا کہ میں اور قریش کا ایک شخص حضرت حسن بن علی کے پاس گئے تو آپ اٹھ کر اندر چلے گئے پھر باہر آئے اور فرمایا کہ میرے جگر کا ایک ٹکڑا اگر پڑا ہے اور میں نے اسے اس لکڑی کے ساتھ الٹ پلٹ کر دیکھا ہے مجھے کئی بار زہر پلایا گیا مجھے کسی دفعہ اس سے زیادہ سخت زہر نہیں پلایا گیا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ آپ نے قریشی شخص کو فرمایا کہ مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ تم مجھ سے نہ پوچھ سکو گے اس نے کہا کہ میں آپ سے

کچھ نہیں پوچھوں گا۔ اللہ تعالٰے آپ کو صحت عطا فرمائے۔ جب امام حسن کی وفات کا وقت قریب آیا تو ایک طبیب نے جو آپ کے پاس آیا کرتا تھا کہا امام حسن کی آنتوں کو زہر نے کاٹ دیا ہے اس وقت امام حسین علیہ السلام نے کہا اے ابو محمد (امام حسن) مجھے بتاؤ آپ کو کس نے زہر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اے بھائی کیوں امام حسین نے کہا خدا کی قسم میں آپ کو دفن کرنے سے پہلے اسے قتل کر دوں گا۔ امام حسن نے فرمایا اے میرے بھائی دنیا دار فانی ہے۔ اس شخص کو چھوڑ دو یہاں تک کہ میں اور وہ اللہ کے ہاں ملاقات کریں۔ امام حسن نے اس کا نام لینے سے انکار کر دیا۔

اخرج الحافظ ابن کثیر بسندہ عن عمران بن عبداللہ قال سمعت بعض من یقول کان معاویۃ قد تلطف ببعض خدمہ ان یسقیہ سما ای الحسن۔

کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی سند کے ساتھ عمران بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ میں نے بعض کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنے ایک خادم سے احسان کر کے کہا کہ وہ حضرت امام حسن بن علی کو زہر پلائے اور ایک دوسری روایت میں یہ ہے۔

وھی اللتی اغراھا معاویۃ بقتلہ فقتلتہ بالسّم
(صلح الحسن صہ ۲۵)

کہ جعدہ کو حضرت معاویہ نے اس پر برانگیختہ کیا کہ وہ حسن بن علی کو زہر پلا دے۔ چنانچہ اس نے امام حسن کو زہر پلا دیا جس سے وہ فوت ہو گئے۔

وعن المغیرہ عن ام موسیٰ ان جعدۃ بنت الاشعث

بن قیس سقت الحسن السم فاشتکیٰ منہ شکاۃ۔

مغیرہ نے ام موسیٰ سے روایت کی کہ جعدہ بنت اشعث بن قیس نے حضرت امام حسن کو زہر پلایا جس سے آپ بیمار ہوگئے (اور زہر سے ہی آپ کی وفات ہوگئی)

عبداللہ بن جعفر ام بکر بنت مسور سے روایت کرتے ہیں کہ ام بکر نے کہا کہ امام حسن کو کئی مرتبہ زہر پلایا گیا اور آپ اس سے بچ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آخری بار زہر سے فوت ہو گئے اور بنو ہاشم کی عورتوں نے آپ پر ایک ماہ نوحہ اور ماتم کیا۔

وروی بعضھم ان یزید بن معاویۃ بعث الی جعدۃ بنت اشعث ان سم الحسن وانا اتزوجک بعدہ ففعلت۔

اور بعض نے روایت کی ہے کہ یزید بن معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کو پیغام بھیجا کہ وہ امام حسن کو زہر دے دے اور میں اس کے بعد تجھ سے شادی رچالوں گا تو جعدہ نے امام حسن کو زہر پلا دیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸۔ حلیم آل بیت صـ۲۰۹)

ان دونوں روایتوں میں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ کے خادم نے زہر پلایا اور دوسری روایت میں کہ یزید کے کہنے پر جعدہ نے زہر پلایا کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ زہر آپ کو بالاتفاق متعدد مرتبہ پلایا گیا۔ حضرت معاویہ کے خادم نے بھی پلایا اور جعدہ نے بھی پلایا۔ آخر کار جعدہ کے پلانے سے امام حسن علیہ السلام فوت ہو گئے۔ اور آپ کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی۔

عبدالحق حقانی لکھتے ہیں کہ حضرت حسن کے بعد امیر معاویہ حکومت کرتے رہے۔ بعد ان کے ان کا بیٹا یزید بدبخت تخت نشین ہوا اس نالائق

دنیا دار نے اس خوف سے کہ مبادا حضرت امام حسن خلافت کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لخت جگر ہیں۔ ان کے روبرو مجھے کون پوچھے گا۔ حضرت حسن کو زہر دلوا کر شہید کر دیا اور چند سال بعد امام حسین کو کربلا میں شہید کر دیا۔ اس کم بخت کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے۔

(عقائد الاسلام)

شمس الحق عظیم آبادی عون المعبود شرح ابو داؤد میں لکھتے ہیں۔

وکان وفاۃ الحسن رضی اللہ عنہ مسموماً سمتہ زوجتہ جعدۃ باشارۃ یزید بن معاویۃ سنۃ تسع واربعین او بعدھا۔

حضرت امام حسن کی وفات زہر خورانی کے ذریعہ سے ہوئی آپ کی بیوی جعدہ نے یزید کے کہنے پر آپ کو زہر دیا۔ یہ ۴۹ھ یا اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ یزید نے جعدہ کو ایک لاکھ درہم دے کر امام حسن کو زہر دلوایا۔ یہ زہر خورانی کا واقعہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی سر الشہادتین میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

(الصواعق المحرقہ ص۸۶، اعتراضات کا تجزیہ ص۳۵۵)

علامہ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ، حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ اور علامہ سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ امام حسن نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان قل ھو اللہ احد لکھا ہوا ہے۔ جب آپ نے یہ خواب گھر والوں کے سامنے ذکر کی تو سب خوش ہوئے۔ جب یہ خواب سعید بن المسیب کے سامنے ذکر کی گئی تو انہوں نے کہا کہ امام حسن کی وفات کا وقت نزدیک ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آپ چند روز زندہ رہے پھر آپ کی وفات

ہوگئی (البدایہ والنہایہ صہ۴۳ جلد ۸۔ صواعق محرقہ صہ۱۳۹۔ تاریخ الخلفاء صہ۱۹۲)

علامہ کمال الدین دمیری المتوفی ۸۰۸ھ لکھتے ہیں کہ ابن خلکان المتوفی ۶۸۱ھ نے کہا کہ جس وقت امام حسن بیمار ہوئے تو مروان بن حکم نے حضرت معاویہ کو اطلاع دی کہ امام حسن بیمار ہو گئے ہیں تو حضرت معاویہ نے جواب دیا کہ ان کے انتقال کی خبر مجھے فوراً بھیج دی جائے۔ تو جس وقت امام حسن کی وفات کی خبر حضرت معاویہ کو معلوم ہوئی تو باآواز بلند تکبیر کہی جو کہ مقام خضرا تک سنائی دی۔ اس تکبیر کو سن کر اہل شام نے بھی تکبیر کہی۔

فقالت فاختة بنت قريضة لمعاوية اقر الله عينك ما الذي كبرت لاجله فقال مات الحسن۔

یہ بات دیکھ کر فاختہ بنت قریضہ نے حضرت معاویہ کو کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھ کو ٹھنڈا رکھے تم نے یہ تکبیر بلند آواز سے کیوں کہی ہے تو معاویہ نے کہا کہ حسن کا انتقال ہوگیا ہے پس اس نے کہا کہ فاطمہ کے بیٹے کے فوت ہونے پر خوشیاں ہو رہی ہیں۔ نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ حضرت معاویہ نے کہا کہ امام حسن کی وفات سے میرے دل کو آرام اور سکون حاصل ہوا ہے جس کی وجہ سے میں نے نعرہ بلند کیا ہے۔ اسی دوران عبداللہ بن عباس تشریف لائے تو حضرت معاویہ نے ابن عباس سے کہا کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ اہلِ بیت میں حادثہ پیش آگیا ہے تو ابن عباس نے کہا کہ مجھے کچھ علم نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ آپ بہت خوش ہیں اور اس سے پہلے میں نے آپ کی تکبیر بھی سنی ہے۔ حضرت معاویہ نے کہا کہ حسن کی وفات ہوگئی ہے۔ یہ سن کر ابن عباس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ابو محمد پر رحم فرمائے پھر ابن عباس نے کہا اے معاویہ، امام حسن کی قبر تمہاری قبر کو نہیں

بھر سکتی اور نہ ہی ان کی عمر تمہاری عمر میں اضافہ کر سکتی ہے اور اگر ہمیں اس وقت سیدنا حسن کی وفات سے تکلیف پہنچی ہے تو اس سے پہلے امام المتقین (حضرت مولیٰ علی شیر خدا) اور خاتم النبیین (رسول اللہ) صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات سے بھی تکلیف پہنچ چکی ہے۔ اللہ تعالےٰ اس حادثہ کی تلافی فرما کر سکون نصیب کرے۔

(حیات الحیوان الکبریٰ صہ ۵۸، جلد ۱)

غرضیکہ دنیا میں سوائے اللہ تعالےٰ کی ذات کے کسی کے لیے دوام اور بقا نہیں ہے۔ ہر شخص نے مرنا ہے جب کوئی شخص مرے تو اس پر اظہار غم اور تعزیت حکم شرعی ہے لیکن کسی کے مرنے پر اظہار خوشی کرنا یہ خوشی نہ تو خوشی کرنے والے کی عمر میں اضافہ کرتی ہے اور نہ ہی اس کو کوئی دیگر فائدہ دیتی ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی وفات پر تمام لوگوں نے غم کا اظہار کیا لیکن حضرت معاویہ نے خوشی منائی قابل تعجب بات یہ ہے کہ حضرت معاویہ اتنے دانشمند اور صحابی رسول ہو کر نواسہ رسول کی وفات پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور نواسہ رسول بھی وہ جس نے تمام دنیا دی حکومت حضرت معاویہ کی گود میں ڈال دی تھی اور حضرت معاویہ سے صلح کی اور حضرت معاویہ نے صلح کی کوئی شرط پوری نہ کی اس کے باوجود امام حسن نے صلح کو برقرار رکھا اگر کوئی آدمی صلح کے خلاف بات کرتا تو امام حسن اس کو منع کرتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ میں نے صلح مسلمانوں کے خون کے تحفظ کے لیے کی ہے اور اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے کی ہے یہ کوئی احسان کم ہی نہیں تھا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ امام حسن کو متعدد مرتبہ زہر دیا گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ کے خادم نے زہر پلایا اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ یزید کے کہنے پر جعدہ بنت اشعث نے زہر پلایا مگر علامہ احمد وکیل بنیرہ مفتی عنایت علی مصنف تاریخ حبیب (الہ) نے اپنی کتاب رفع الحجاب عن فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ ترجیح اس قول کو ہے کہ امام حسن کو زہر حضرت معاویہ کے اشارہ پر جعدہ بنت اشعث نے دیا تھا۔ چنانچہ استیعاب میں ہے کہ حضرت امام حسن کو ان کی بیوی جعدہ نے زہر دیا۔ اور یہ حضرت معاویہ کے حکم کے مطابق دیا۔

مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ قتادہ کا قول ہے کہ امام حسن کو ان کی بی بی جعدہ نے زہر دیا۔ یہ حضرت معاویہ کا حکم تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت معاویہ نے امام علیہ السلام کو کئی مرتبہ زہر دلوایا۔ ابوالعذاء لکھتے ہیں جب حضرت امام حسن کی شہادت کی خبر امیر معاویہ کو پہنچی تو وہ بہت خوش ہوئے اور سجدہ شکر بجالائے۔

تیسیر الباری شرح صحیح بخاری متعلقہ حاشیہ کتاب الفتن میں ہے کہ حضرت معاویہ بعد وفات حضرت امام حسن اظہار مسرت کر کے یہ بھی کہا تھا کہ امام حسن ایک انگارہ تھے جن کو اللہ نے بجھا دیا۔ تذکرہ خواص الامت میں اور سعادت الکونین میں بھی امیر معاویہ کا زہر دلرانا موجود ہے۔ نیز تذکرہ خواص الامت میں ہے کہ شعبی (عامر بن شراحیل) کا قول ہے کہ امیر معاویہ نے زہر دلوایا۔ یزید کی طرف اس امر کو سدی نے منسوب کر دیا۔

تاریخ طبری میں ہے کہ امام حسن نے حضرت معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی ان کو زہر دیا گیا۔ حضرت معاویہ کے پاس کچھ چیزیں تھیں ان کو خفیہ جعدہ بنت اشعث زوجہ امام حسن کے پاس بھیجا اور یہ کہلا بھیجا کہ اگر تم ان کو

قتل کردو گی تو میں تمہارا نکاح یزید کے ساتھ کر دوں گا۔
تاریخ طبری کی) اس روایت پر بعض لوگوں نے جرح کی ہے مگر طبری کی یہ روایت جید اور مضبوط ہے۔ اس کے راوی محمد بن حمید رازی اور علی بن مجاہد ثقہ اور صدوق ہیں اور محمد بن حمید رازی کے بارے یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ یہ ثقہ تھے۔ ابوعثمان کہتے ہیں کہ یہ ثقہ تھے۔
(تہذیب التہذیب صہ۱۲۷ ج ۹)
نیز اس سے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور محمد بن جریر طبری نے حدیث روایت کی ہے اور علی بن مجاہد کندی کے متعلق ابوداؤد کہتے ہیں کہ ان کے بارے امام احمد کا قول ہے کہ میں نے ان سے حدیث لکھی میرے نزدیک ان میں کوئی حرج نہیں۔
ابن حبان بروایت ابن معین بھی یہی کہتے ہیں۔ ترمذی کا قول ہے کہ یہ ثقہ تھے، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب صہ۳۷۷ ج ۷)، جب یہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں تو ان کی مروی روایت صحیح اور درست ہے۔ (رفع الحجاب عن فصل الخطاب صہ۲۰۲)
اس سے ثابت ہوا کہ امام حسن کو زہر جعدہ بنت اشعث نے دیا اور یہ حضرت معاویہ کے ایما اور اشارے سے ہوا اور سدی نے اس کو یزید کی طرف منسوب کر دیا۔ امام حسن علیہ السلام کی وفات پر حضرت معاویہ نے خوشی کا اظہار کیا جس پر حضرت معاویہ کے گھر سے ایک عورت نے حضرت معاویہ کو کہا کہ کیا رسول پاک کی بیٹی کے بیٹے کے مرنے پر خوشیاں ہو رہی ہیں۔ نعرے لگائے جا رہے ہیں۔
بہر صورت حضرت معاویہ کا یہ ذاتی عمل ہے ہم تو حضرت معاویہ کو رسول

پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہی سمجھتے ہیں۔ اور ان کا احترام کرتے ہیں اور ہم اس معاملہ میں اپنے بزرگوں کے اقوال کا اتباع کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ ہم کو مذہب مہذب اہل سنت والجماعت پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی وصیتیں

جب امام حسن علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی تو لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو امام حسن نے فرمایا اے حاضرین خاموش ہو جاؤ اور سنو ! جو میں تم کو کہتا ہوں ، ھذا الحسین اخی امام بعدی فلا امام غیرہ ۔ یہ حسین میرے بھائی میرے بعد امام ہیں ان کے سوا کوئی اور امام نہیں ہے ۔ یہ بات حاضر غائب کو اور والد، اولاد کو اور آزاد غلام کو ، اور مرد عورت کو پہنچا دے اور یہ میرا بھائی تم پر میرا خلیفہ ہے تم میں سے کوئی ایک بھی ان کی مخالفت نہ کرے اور ہم رسول پاک کے خوشبو دار پھول ہیں اور نوجوانان جنت کے سردار ہیں۔

فلعن اللہ من یتقدم او یقدم علینا احدًا

اس پر اللہ کی لعنت ہو جو ہم سے مقدم ہو یا کسی اور کو ہم پر مقدم کرے پھر امام حسن مجتبیٰ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کی طرف دیکھا اور ان کو فرمایا کہ اے محمد بن علی تم جان لو کہ میری امامت کے بعد حسین بن علی امام ہے۔ اللہ تعالےٰ کے علم میں ہے کہ تم مخلوقات میں سے بہترین ہو اللہ تعالےٰ نے ہمارے نانا پاک کو تمام مخلوقات میں سے برگزیدہ کیا ہے اور حضور

پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کو مختار کیا ہے آپ نے مجھے امامت کے لیے پسند کیا ہے اور میں نے امامت کے لیے امام حسین کو پسند کیا ہے پھر امام حسین کو فرمایا اے میرے بھائی اب مجھے تیسری مرتبہ زہر پلایا گیا ہے اس کی طرح پہلے نہیں پلایا گیا۔ امام حسین علیہ السلام نے آپ سے پوچھا کہ کس نے آپ کو زہر پلایا ہے مگر آپ نے بتانے سے انکار کر دیا۔ امام حسن علیہ السلام نے وصیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ تمہارا محافظ ونگہبان ہو اور فرمایا۔

علیکم السلام یا ملائکتہ ربی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

سفیان بن عیینہ سے مروی ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا مجھے باہر صحن میں لے چلو تا کہ میں آسمانوں کی بادشاہت میں غور وفکر کر سکوں۔ چنانچہ آپ کو صحن میں لایا گیا تو آپ نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اے اللہ میں اپنی ذات کے متعلق تجھ سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ امام حسین علیہ السلام نے اس وقت امام حسن کو دیکھا کہ وہ کچھ گھبراہٹ محسوس کر رہے ہیں تو امام حسین نے فرمایا آپ گھبراہٹ کیوں محسوس کر رہے ہیں حالانکہ آپ اپنے اہل اور قریبی رشتہ داروں کے پاس جا رہے ہیں تو امام حسن نے امام حسین کو فرمایا کہ اے میرے بھائی میں ایک ایسے امر الٰہی میں داخل ہو رہا ہوں جس امر میں کبھی داخل نہیں ہوا اور میں ایسی مخلوق کو دیکھ رہا ہوں جس مخلوق کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

فبکیٰ الحسین راوی نے کہا کہ یہ سُن کر امام حسین علیہ السلام رو پڑے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸۔ الحلیم آل بیت ص۱۱۲)

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ امام حسن علیہ السلام کی وفات زہر کی وجہ سے ہوئی ہے جو کہ یزید وغیرہ نے دلوایا چونکہ اس واقعہ میں متعدد افراد شریک کار تھے۔ بایں وجہ امام حسین نے جب اپنے بھائی امام حسن مجتبیٰ سے دریافت کیا کہ آپ کو زہر کس نے دلوایا ہے تو امام حسن نے متعدد افراد میں سے کسی کا نام لینا مناسب نہ سمجھا۔ یہاں بعض لوگوں نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر کہا ہے کہ امام حسن کو زہر تو دیا گیا تھا لیکن کسی کا نام متعین کرنا کہ فلاں فلاں نے زہر دیا ہے یا دلوایا ہے۔ یہ درست نہیں ہے کیونکہ تاریخ کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بتایا ہو کہ مجھے کس نے زہر دلوایا اور کس نے دیا ہے۔ جب انہوں نے حضرت حسین کو بھی دریافت کرنے پر نہیں بتایا تو بلا تحقیق یہ کہنا کہ فلاں نے زہر دیا فلاں نے زہر دلوایا سب باتیں بلا تحقیق اور غلط ہیں لہٰذا بغیر علم کسی کی طرف ایسی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ ان بعض لوگوں نے یزید اور اس کے حواریوں کی حمایت میں یہ بات کہی ہے تاکہ یزید وغیرہ کا تحفظ ہو سکے اور کہا جا سکے کہ اس واقعہ میں یزید وغیرہ شریک نہ تھے اور رہا یہ کہ امام حسن مجتبیٰ نے اپنے بھائی امام حسین کے دریافت کرنے پر بھی نہ بتایا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس واقعہ میں متعدد افراد شریک تھے۔ امام حسن مجتبیٰ نے متعدد افراد میں سے کسی کا نام لینا مناسب نہ سمجھا اور صرف یہ فرما دیا کہ مجھے زہر دیا گیا ہے مگر محدثین، مؤرخین اور ثقہ راویوں نے واقعہ اور حادثہ کے پیش نظر یہ ثابت کر دیا کہ یزید اور اس کے حامیوں نے زہر دلوایا ہے۔ اور فلاں فلاں نے دیا ہے۔ ناموں کا بھی تعین وتقرر کر دیا۔

مؤرخین اور راوی تمام حقائق کو قرائن اور شواہد کے ساتھ نفس الامر

میں بطور واقعہ ثابت کرتے ہیں وہ بلا تحقیق ہرگز بات نہیں کرتے۔ تمام روایات جو پہلے ذکر ہوئے ہیں ان سے ثابت ہوا کہ یزید وغیرہ نے ہی امام حسن مجتبیٰ کو زہر دلوایا ہے جس سے آپ کی وفات ہوئی ہے۔ زہر والے واقعہ میں یزید وغیرہ کے ناموں کا تعین اور ثبوت اسی طرح ہی ہے جیسے کہ کربلا کے واقعہ میں امام حسین کی شہادت کے بعد مورخین اور راویوں نے قتل حسین میں یزید کا شریک کار ہونا اور آپ کے قتل کا حکم دینا اور اس پر راضی ہونا ثابت کیا ہے۔

چنانچہ محقق ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں اور یہ یزید وہ تھا جس نے ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا تھا جو ان دونوں بھائیوں میں سے ایک تھے جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں۔

نیز محقق ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں کہ یزید شرابی تھا جو نشہ میں دھت رہتا تھا۔ ریشمی لباس پہنتا تھا۔ طنبورہ بجاتا تھا۔ (امام جعفر صادق ص۱۸۵)

اور شرح عقائد میں ہے وبعضهم اطلق اللعن عليه لما انه كفر حين امر بقتل الحسين

(شرح عقائد نسفیہ بمعہ نبراس ص۵۵۳)

بعض علماء نے یزید پر مطلقاً لعنت کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس نے (امام) حسین کے قتل کرنے کا حکم دے کر کفر کیا ہے۔ مؤرخین اور راویوں نے امام حسین کے قاتلوں میں جن کا نام ذکر کیا ہے وہ عقلاً، نقلاً قاتلوں میں شمار ہیں۔ امام حسین کے قتل سے یہ یزید وغیرہ کبھی بھی بری الذمہ نہیں ہوسکتے اسی طرح مؤرخین اور ثقہ راویوں نے جن کا ذکر کیا ہے کہ زہر دلوانے کے واقعہ

میں شریک تھے وہی متعین ہیں یہ بھی اس سے کبھی بری ذمہ نہیں ہو سکتے۔ مورخین اور راویوں نے تحقیق کر کے ان کے ناموں کا تعین اور ذکر کیا ہے کہ انہوں نے امام حسن مجتبیٰ کو زہر دلوایا ہے جس سے آپ کی وفات ہوئی ہے۔

اس واقعہ کے ثبوت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ امام حسن نے خود فرمایا ہو کہ مجھے فلاں نے زہر دیا ہے بلکہ اس واقعہ کے ثبوت کے لیے راویوں کے قول کا اعتبار ہے کہ فلاں فلاں نے زہر دیا ہے اور راویوں نے جن ناموں کا تعین کیا ہے وہی متعین ہوں گے۔

امام حسن علیہ السلام کا جنت البقیع میں دفن کیا جانا

امام حسن مجتبیٰ نے اپنی وفات سے قبل امام حسین کو جو وصیتیں کی تھیں ان میں سے ایک وصیت یہ بھی تھی کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت لے لی ہے کہ میری وفات کے بعد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی دفن کیا جائے۔ انہوں نے میرے ساتھ یہ وعدہ کیا ہے لیکن پھر بھی بوقت دفن اجازت لے لینا، میرا غالب گمان یہ ہے کہ جب تم ارادہ کرو گے تو بنو اُمیہ اس معاملہ میں تمہارے ساتھ منازعت اور جھگڑا کریں گے۔ اگر بنو اُمیہ نے جھگڑا کیا تو پھر میرا جنازہ میرے نانا پاک کے روضہ مبارک کے آگے لے جانا اور تھوڑی دیر میرا جنازہ وہاں رکھنا تاکہ میں نانا پاک سے تجدید عہد کر لوں پھر مجھے

بقیع میں دفن کر دینا۔ امام حسن علیہ السلام کو امام حسین اور حضرت ابو طالب کے بیٹوں نے غسل دیا اور امام حسین کے حکم سے سعید بن عاص بن امیہ نے نماز جنازہ پڑھائی کیونکہ وہ اس وقت مدینہ منورہ کا حاکم تھا اس کے بعد امام حسین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، انہوں نے کہا کہ امام حسن کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی دفن ہونا مناسب ہے جب یہ بات مروان بن حکم نے سنی تو وہ کہنے لگا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور میں امام حسن کو کبھی دفن نہ ہونے دیں گے یہاں لوگوں نے عثمان بن عفان کو دفن نہیں ہونے دیا تو ہم امام حسن کو بھی دفن نہ ہونے دیں گے۔ امام حسین علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ کو سخت افسوس لگا۔ آپ چند مسلح ساتھیوں کے ساتھ مروان کے ہاں تشریف لے گئے۔ مروان بھی مسلح ہوگیا۔ اب ان دونوں فریقوں کے درمیان تنازع شروع ہونے کا خطرہ ہوا تو ابوہریرہ نے مروان کو کہا کہ تم روضہ رسول میں امام حسن کو دفن نہیں ہونے دے رہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن اور حسین دونوں سے فرمایا تھا یہ دونوں سیدا شباب اہل الجنۃ کہ جنت میں جوانوں کے سردار ہوں گے۔ مروان نے کہا ابوہریرہ ایسی حدیثوں کو رہنے دیجیے ہم حسن بن علی کو یہاں کبھی بھی دفن نہیں ہونے دیں گے۔

پھر سعد بن ابی وقاص، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ وغیرہ نے امام حسین کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور آپ بنو امیہ سے جھگڑا نہ کریں۔ نیز امام حسن مجتبیٰ نے خود بھی فرمایا تھا کہ اس مسئلہ میں ان سے جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ امام حسین نے اپنے بھائی امام حسن کو بقیع میں

جہاں آپ کی دادی صاحبہ فاطمہ بنت اسد کی قبر ہے دفن کر دیا۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ کی سن وفات میں بعض نے کچھ اختلاف ذکر کیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ آپ ۱۵ رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ سات سال اپنے نانا پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور تیس سال اپنے والد گرامی کے ساتھ رہے اور ان کی شہادت کے بعد نو۹ سال زندہ رہے اور ۴۹ھ میں انتقال فرمایا۔ اس حساب سے آپ کی عمر مبارک چھیالیس سال بنتی ہے۔ اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آلہٖ وسلم۔

(البدایہ والنہایہ ص۴۲، ج ۸۔ حیات الحیوان الکبریٰ ص۵۸ جلد۱، تاریخ الخلفاً ص۱۹۴، صواعق محرقہ ص۱۳۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ ثعلبہ کہتے ہیں کہ جب امام حسن کو بقیع میں دفن کیا جا رہا تھا میں وہاں موجود تھا لوگوں کا اتنا اجتماع تھا اگر سوئی پھینکی جاتی تو آدمیوں کے سر پر گرتی زمین پر نہ گرتی۔ اور ابوہریرہ بلند آواز سے کہہ رہے تھے لوگو! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس فرزند پر مٹی ڈال رہے ہو میں نے ان کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو حسن کو دوست رکھتا ہے وہ مجھے بھی دوست رکھتا ہے۔

اور الحلیم آل البیت میں ہے کہ امام حسن نے اپنے بھائی امام حسین کو وصیت کی تھی کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے۔

وكان قد عهد الى اخيه ان يدفن مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم۔

کہ امام حسن (مجتبیٰ) نے اپنے بھائی امام حسین کو وصیت کی تھی کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے۔ اگر انہیں اس بارے میں جھگڑے کا خطرہ ہو تو بقیع میں دفن کر دیں۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ امام حسن نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اجازت لینے کے لیے آدمی بھیجا اور حضرت عائشہ صدیقہ نے اجازت دی کہ امام حسن کو رسول پاک کے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔ جب امام حسن فوت ہو گئے تو مروان اور بنو اُمیہ نے کہا کہ ہم امام حسن کو رسول پاک کے ساتھ دفن نہیں ہونے دیں گے۔ مروان بن حکم ان دنوں معزول تھا اور یہ حضرت معاویہ کو راضی کرنا چاہتا تھا اس نے کہا ہم کبھی بھی امام حسن کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دفن نہیں ہونے دیں گے۔ مروان نے کہا کہ حضرت عثمان بقیع میں دفن ہوں اور امام حسن روضہ رسول میں دفن ہوں یہ نہیں ہوگا۔

امام حسین علیہ السلام اور مروان کے درمیان سخت جھگڑا ہونے کا جب خطرہ ہوا تو سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عمر نے حضرت امام حسین کو مشورہ دیا کہ جھگڑا اور لڑائی غیر مناسب ہے تو امام حسین نے ان لوگوں کی بات تسلیم کر لی اور اپنے بھائی امام حسن مجتبیٰ کو بقیع میں دفن کر دیا۔

اور محمد بن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ جس دن امام حسن فوت ہوئے تو ابوہریرہ نے جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے اعلان کرنا شروع کر دیا کہ اے لوگو! آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب اور پیارا فوت ہو گیا ہے۔ پس تم گریہ کرو آپ

کے جنازے کے لیے لوگ جمع ہو گئے۔ حتیٰ کہ بقیع میں کسی آدمی کے سمانے کی کوئی گنجائش نہ رہی، مردوں اور عورتوں نے سات روز تک آپ پر گریہ کیا اور بنو ہاشم کی عورتوں نے مسلسل ایک ماہ تک آپ پر نوحہ (ماتم) کیا نیز بنو ہاشم کی عورتوں نے آپ پر ایک سال تک سوگ کیا اور مشہور یہ ہے کہ آپ کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی ہے۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸، الحلیم آل البیت ص۲۱۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی جذب القلوب میں لکھتے ہیں کہ جب حسن بن علی کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو ایک آدمی حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس بھیجا کہ اگر آپ اجازت دیں تو امام حسن کو حجرہ کے اندر نانا (پاک) کے پہلو میں دفن کریں۔ حضرت عائشہ نے قبول فرمایا اور کہا کہ ایسا ہی ہو گا وہاں پر ایک قبر کی جگہ بھی خالی ہے۔ امام حسن نے اپنے بھائی امام حسین سے فرمایا اگر بنو امیہ منع کریں تو ان سے جھگڑا نہ کرنا اور مجھ کو بقیع غرقد میں دفن کرنا۔ مروان بن حکم نے جب یہ بات سُنی تو وہ لڑائی کے لیے تیار ہو گیا اور کہنے لگا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ حسن بن علی کو رسولِ پاک کے ساتھ دفن کیا جائے اور حضرت عثمان دفن نہ ہو سکیں۔

ابوہریرہ اور دوسرے اصحاب جو اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے کہہ رہے تھے واللہ یہ صراحتاً ظلم ہے کہ حسن کو ان کے نانا پاک کے پہلو میں دفن ہونے سے روکا جائے۔ اس کے بعد امام حسین کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ کے بھائی نے وصیت کی ہے کہ اگر لڑائی جھگڑے کی نوبت آئے تو مجھے مسلمانوں کے مقبرے میں دفن کرنا۔ آخر کار ان حضرات کے کہنے کے مطابق امام حسن کو بقیع میں دفن کر دیا۔ امام حسن مجتبیٰ کی قبر

کے نزدیک امام زین العابدین بن امام حسین (اور امام محمد باقر) اور امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہم اجمعین کی قبریں ہیں۔

(جذب القلوب ص۱۸۵ و ص۱۸۶)

علامہ مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ مروج الذہب میں بیان کیا ہے کہ امام حسن، زین العابدین، محمد باقر اور جعفر صادق سلام اللہ علیہم کی قبروں کے پاس ۳۳۲ھ میں ایک پتھر ملا جس میں درج ذیل اسمائے گرامی تھے۔

حسن بن علی، علی بن حسین، محمد بن علی اور جعفر بن محمد علیہم السلام،
غرضیکہ امام حسن علیہ السلام رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے اور نواسے تھے آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی دفن کیا جائے۔ اگر جھگڑے کا خدشہ ہو تو پھر بقیع میں دفن کیا جائے اور حضرت عائشہ صدیقہ نے بھی فرمایا کہ امام حسن کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور میں ہی دفن کیا جائے مگر مروان بن حکم جو اہل بیت رسول اور بنو ہاشم کا دشمن تھا۔ اس نے کہا کہ میں امام حسن کو روضہ رسول میں دفن نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ امام حسن مجتبیٰ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔

بقیع میں تمام سے پہلے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا۔ جب عثمان بن مظعون فوت ہوئے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ان کو بقیع میں دفن کرو اس وقت بقیع میں کثرت سے غرقد نامی درخت تھے اس وجہ سے اس کو بقیع غرقد بھی کہتے ہیں آپ نے ان درختوں کو نکال کر زمین کو صاف کر کے عثمان بن مظعون کو دفن کیا جب قبر کھودی گئی قبر سے ایک پتھر نکلا۔ رسول پاک صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے اس پتھر کو اُٹھا کر قبر کے سرہانے نصب کیا۔

جب مروان بن حکم مدینہ منورہ کا حاکم مقرر ہوا تو یہ ایک دن عثمان بن مظعون کی قبر کے نزدیک سے گذرا تو اس نے حکم دیا کہ اس پتھر کو اٹھا کر پھینک دو میں نہیں چاہتا کہ عثمان بن مظعون کی قبر پر کوئی ایسی علامت رہے جس کے ذریعے وہ ممتاز اور معین ہوں۔ بنوامیہ نے بھی مروان کو اس حرکت پر ملامت کی اور کہا کہ تو نے بُرا کیا، جس پتھر کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر رکھا تھا تو نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا ہے۔ مروان نے کہا کہ جو میں نے حکم دے دیا ہے وہ اب تبدیل نہیں ہو سکتا اور ابوداؤد کی صحیح روایت میں ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب عثمان بن مظعون کو دفن کیا تو فرمایا ایک پتھر لاؤ وہاں ایک بہت بڑا بھاری پتھر تھا جس کو کوئی اٹھا نہ سکتا تھا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آستین چڑھا کر پتھر کو اٹھا کر عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے رکھ دیا اور یہ فرمایا کہ اس پتھر سے اپنے بھائی کی قبر کو نشان والا کرتا ہوں مگر مروان بن حکم خبیث نے اس پتھر کو اٹھوا کر پھینک دیا چونکہ مروان شیطان اور لعنتی تھا ہر کام شیطان والا کرتا تھا۔

عثمان بن مظعون کے بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے سیّدنا ابراہیم کا انتقال ہوا تو ان کو عثمان بن مظعون کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ابراہیم کی قبر پر مٹی ڈالی اور پانی چھڑکا اور ان کی قبر پر سنگ ریزے بھی ڈالے جب دفن سے فارغ ہوئے تو فرمایا السلام علیکم۔ جب سیّدنا ابراہیم کی قبر بقیع میں بن گئی تو ہر

قبیلہ نے بقیع کے ایک ایک حصہ میں اپنا مقبرہ تجویز کیا اور بقیع غرقد مسلمانوں کا قبرستان ہو گیا۔ (جذب القلوب صد ۱۷۷)

عثمان بن مظعون اور سیدنا ابراہیم کی قبر کے نزدیک فاطمہ بنت اسد کی قبر ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اس نے کہا کہ عقیل، جعفر اور علی کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اٹھو! اپنی ماں کی طرف چلیں۔ جب آپ فاطمہ بنت اسد کے دروازہ پر پہنچے تو آپ نے اپنی قمیص مبارک اتاری اور فرمایا غسل کے بعد اس کو کفن کے نیچے پہنا دو۔ جب ان کا جنازہ باہر آیا، جنازہ کا پایہ اپنے شانہ مبارک پر رکھا اور راستہ میں کبھی جنازہ سے آگے اور کبھی اس کے پیچھے چلتے تھے جب قبر پر پہنچے تو لحد میں اتر کر لیٹ گئے اور پھر باہر نکلے اور فرمایا کہ جنازہ لاؤ۔ بسم اللہ و علی اسم رسول اللہ۔ بعد دفن کے قبر کے سرہانے کھڑے ہوئے اور فرمایا امی اللہ تعالے آپ کو جزا عطا فرمائے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ سے فاطمہ بنت اسد کے متعلق دو خاص باتیں دیکھیں جو کبھی کسی اور کے متعلق نہیں دیکھی تھیں، ان کے لیے آپ نے اپنی قمیص عطا فرمائی اور اس کو ان کا کفن بنایا۔ دوسرے آپ ان کے لحد میں اترے اور لیٹ گئے۔ آپ نے فرمایا میں نے انہیں اپنا پیراہن اس لیے پہنایا تاکہ ان کو حلہائے بہشت سے ملے اور کی قبر میں میں اس واسطے لیٹا تاکہ قبر میں ان کو امن و سکون حاصل ہو۔

راوی نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچ آدمیوں کے سوا کسی کی قبر میں کبھی نہیں لیٹے۔ ان میں تین عورتیں تھیں اور دو مرد۔ ایک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جن کی قبر مکہ مکرمہ میں ہے اور چار دوسری جن

کی قبریں مدینہ منورہ میں ہیں۔ اوّل خدیجہ کے صاحبزادے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی گود میں پرورش کیا۔

دوسرے عبداللہ المزنی جن کو ذوالبجادین کہتے ہیں۔

تیسری اُم رمان یہ حضرت عائشہ صدیقہ کی والدہ تھیں۔

چوتھی فاطمہ بنت اسد (حضرت علی شیر خدا کی والدہ)

اور امام حسن و امام حسین کی والدہ ماجدہ طیبہ، طاہرہ، سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی قبر مبارک اسی جگہ پر ہے جس جگہ اور جس مکان میں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ آپ کی وفات اور جنازہ کے بارے میں کسی کو مطلع نہیں کیا گیا۔ سیّدۃ فاطمۃ الزہراء نے وصیت کی تھی کہ کسی کو آپ کی وفات اور دفن کے بارے نہ بتایا جائے۔ آپ کے جنازے میں حضرت علی المرتضیٰ اور چند اہلِ بیت تھے رات میں ہی آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کی قبر اسی مکان میں ہے۔ جہاں آپ کی وفات ہوئی جو مسجد نبوی میں داخل ہے۔

بہرصورت صحیح قول کے مطابق سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی قبر مبارک مسجد نبوی میں ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الکرام سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کو ان کے حجرہ ہی میں دفن کیا گیا تھا جس کو عمر بن عبدالعزیز نے مسجد میں داخل کر دیا ہے جس طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے گھر میں دفن کیا گیا اسی طرح رسول پاک کی بیٹی سیّدہ فاطمۃ الزہراء کو بھی آپ کے گھر میں دفن کیا گیا۔

(جذب القلوب صد ۱۹۲)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری صاحبزادیاں حضرت زینب

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم بقیع میں دفن ہیں۔
شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بقیع کے فضائل میں متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ان میں سے چند احادیث ہم بھی ذکر کرتے ہیں۔

○

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔جب اخیر رات ہوئی تو آپ بقیع کی جانب تشریف لے گئے اور وہاں جو دفن تھے ان کو سلام کیا نیز ان کے لیے دُعا مغفرت فرمائی اور کہا السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ماتوعدون وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد۔

○

دوسری روایت بھی حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے میں بھی آپ کے پیچھے باہر آگئی۔میرا خیال یہ تھا کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں تشریف نہ لیے جاتے ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع میں تشریف لے گئے اور دیر تک کھڑے رہے آپ نے تین مرتبہ ہاتھ مبارک اٹھا کر دعا فرمائی اور آپ واپس ہوئے۔میں نے جلدی کی حضور پاک کے پہنچنے سے پہلے گھر میں آگئی اور چپ چاپ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔جب آپ نے مجھ میں اضطراب کے نشانات مشاہدہ کیے تو فرمایا کہ اے عائشہ کیا حال ہے اور کیا ہوا کہ تم مضطرب معلوم ہوتی ہو میں نے سارا واقعہ عرض کر دیا۔آپ نے فرمایا کہ وہ سیاہی جو میں نے اپنے سامنے دیکھی تھی شاید تم ہی تھیں۔

میں نے کہا بے شک یا رسول اللہ آپ نے اپنا دست شفقت میرے سینے پر مار کر فرمایا کہ کیا تم نے گمان کیا تھا کہ خدا اور رسول خدا تم پر ظلم کریں گے میں نے کہا کہ یا رسول اللہ خدا سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں ایسا ہی خیال تھا لیکن میں کیا کروں تقاضائے بشری نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور باہر سے آواز دی انہوں نے تم سے پوشیدہ رکھا میں نے بھی ظاہر نہ کیا۔ جبرئیل علیہ السلام کی عادت ہے کہ جب تم گھر والا لباس پہنتی ہو تو گھر کے اندر نہیں آتے اور میں نے گمان کیا کہ تم سو رہی ہو میں تم کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جبریل علیہ السلام وحی لائے تھے کہ آپ کو اللہ تعالےٰ حکم کرتے ہیں کہ آپ بقیع میں تشریف لے جائیں اور اہل بقیع کے لیے استغفار کریں۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ نصف شعبان کی شب میں ہے اور یہ بھی آیا ہے۔ السلام علیکم اھل القبور ویغفر اللہ لنا ولکم انتم لنا سلف ونحن بالاثر۔

اور حدیث پاک میں ہے کہ جس شخص کی موت مدینہ منورہ میں ہو اور اس کو بقیع میں دفن کیا جائے اس کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت حاصل ہوگی اور وہ شفاعت سے ممتاز ہوگا۔ ایک اور حدیث پاک میں ہے۔

من مات باحد الحرمین بعث من الامنین یوم القیامۃ
یعنی جو شخص دونوں حرموں (حرم مکہ، حرم مدینہ منورہ) میں سے کسی حرم میں فوت ہوجائے وہ قیامت کے دن امن والے گروہ میں اٹھایا جائے گا۔ بقیع کا

مقام نہایت بابرکت اور فضیلت والا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس جگہ کو ہی مسلمانوں کے لیے قبرستان مقرر فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بقیع غرقد میں تشریف لاتے اور اہل بقیع کی مغفرت کے لیے دعا فرماتے اور یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ قیامت والے دن بقیع میں سے ستر ہزار آدمی ایسے اٹھیں گے جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔

نیز امام حسن مجتبیٰ، امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق و دیگر اہل بیت اطہار کے افراد بقیع میں دفن ہونے کی وجہ سے بقیع کے مقبرہ کو وہ فضیلت اور برکت ہے جو کسی دوسرے قبرستان کو نہیں ہے اہل بقیع کی زیارت میں سنت یہ ہے کہ جب بقیع کے دروازے پر پہنچے تو السلام علیکم یا اھل القبور پڑھ کر یہ دُعا پڑھے۔

اللهم اغفر لاهل بقيع الغرقد اللهم لا تحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم واغفر لنا ولهم۔

گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب اہل مقبرہ کو ہدیہ کرے زیارت کی ابتداء امام حسن مجتبیٰ و دیگر آئمہ اہل بیت اطہار کے مزارات مقدسہ سے کرے اور سلام کی نیت اور مقصود یہ ہونا چاہیے کہ جمیع آل پاک واصحاب اور مومنین جو اس مقبرہ شریف میں آرام فرما ہیں انہیں ثواب پہنچے۔

غرضیکہ بقیع غرقد کے مقام کو اللہ تعالےٰ نے امام حسن مجتبیٰ و دیگر آئمہ اہل بیت اطہار کی وجہ سے بڑی عزت وعظمت عطا فرمائی ہے۔ اگرچہ مروان بن حکم نے اپنی ظاہری و باطنی خباثت کا اظہار کرتے ہوئے امام حسن

مجتبیٰ کو روضہ رسول میں دفن نہ ہونے دیا۔ چنانچہ آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔

امام حسن مجتبیٰ اہل بیت اور صاحب روایت صحابی ہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے امام حسن کا نام لے کر تصریح کی ہے کہ آپ صحابی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ بعض نے یہ شرط لگائی ہے کہ صحابی وہ ہوتا ہے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرے اور آپ پر ایمان لائے اور عمر میں بالغ ہو۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ بالغ ہونے والی شرط غلط ہے لانه يخرج مثلا الحسن بن علی ونحوه من احداث الصحابة

(فتح الباری ص۳ ج ۷)

کیونکہ یہ شرط حسن بن علی جیسے افراد کو جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملاقات کے وقت کم عمر تھے۔ صحابیت سے خارج کر دیتی ہے یعنی صحابی کی تعریف میں ایسی شرط جو امام حسن اور چھوٹے صحابہ کو صحابیت سے خارج کر دے لگانی غلط ہے کیونکہ امام حسن یا ان جیسے کم عمر بھی صحابہ ہیں۔ ثابت ہوا کہ امام حسن مجتبیٰ صحابی ہیں اور صاحب روایت صحابی ہیں۔

ابن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

حفظ الحسن بن علی عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم احادیث ورواها عنه (الاستیعاب ص۱۴۶ جلد۱)

امام حسن بن علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد حدیثیں حفظ اور روایت کی ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

الحسن بن علی بن ابی طالب الهاشمی سبط رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وريحانته من الدنيا واحد

سیدی شباب اھل الجنۃ وروی عن جدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وابیہ علی واخیہ حسین وخالہ ھند بن ابی ھالہ۔ (تہذیب التہذیب صد۲۱۵،ج ۲)

حسن بن علی بن ابی طالب ہاشمی سبط (بیٹے) رسول اور ریحانہ رسول دنیا میں اور جنت کے دو سرداروں سے ایک ہیں۔ انہوں نے روایت کی ہے اپنے جد پاک (نانا پاک) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اپنے والد حضرت علی اور اپنے بھائی حسین سے اور اپنے ماموں ھند بن ابی ہالہ سے، اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

والمقصود ان الحسین عاصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحبہ الیٰ ان توفی وھو عنہ راض ولکنہ کان صبیاً (البدایہ والنہایہ صد۱۵۰، جلد۸)

اور مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ حسین (شہید کربلا) معاصر رسول ہیں جنہوں نے حضور پاک کا زمانہ پایا اور حضور پاک کی صحبت اٹھائی تاآنکہ حضور پاک نے وفات پائی اور آپ ان سے راضی تشریف لے گئے لیکن (اس وقت) امام حسین کی عمر چھوٹی تھی۔ اب ابن کثیر نے امام حسین کو عمر کے اعتبار سے چھوٹا کہہ کر بھی ان کی معاصرت اور صحابیت کا اقرار کیا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ امام حسین صحابی ہیں جب امام حسین عمر میں امام حسن سے چھوٹے ہیں وہ صحابی ہیں تو امام حسن مجتبیٰ جو ان سے عمر میں بڑے ہیں وہ بھی صحابی ہیں۔

ابن کثیر ہی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ہر مسلمان کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر غم کرنا چاہیے۔

فانه من سادات المسلمین وعلماء الصحابة وابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم التی ھی افضل بناتہ وقد کان عابدًا وشجاعًا وسخیًا (البدایہ والنہایہ جلد ۸)

کیونکہ آپ مسلمانوں کے سادات سے ہیں اور علماء صحابہ میں سے ہیں۔ اور عابد، بہادر اور سخی تھے۔ ابن کثیر نے جب امام حسین کو صغر سنی کے باوجود صحابی قرار دیا ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک امام حسن مجتبیٰ بھی صحابی ہیں۔ حافظ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے حسنین کریمین کو صحابہ میں سے شمار کیا ہے۔ (التجرید فی اسماء الصحابہ صہ ۱۴۰)

امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ، اور امام مسلم المتوفی ۲۶۱ھ نے اپنی اپنی صحیح میں فضائل صحابہ کا عنوان قائم کر کے مناقب امام حسن اور امام حسین بیان کیے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک بھی امام حسن اور امام حسین صحابی ہیں۔ بہرِ صورت امام حسن اور امام حسین اہل بیت اور صاحب روایت صحابی ہیں۔

اور ابو داؤد المتوفی ۲۷۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے اپنے بیٹے (امام) حسن کو دیکھا اور فرمایا یہ میرا بیٹا سیّد (سردار) ہے۔ عنقریب اس کی اولاد سے ایک مرد ہوگا جو تمہارے نبی کے نام سے موسوم ہوگا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ (سنن ابو داؤد صہ ۱۰۸، ج ۴)

نیز ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ المھدی من عترتی من ولد

فاطمۃ۔

کہ مہدی میری اولاد سے اولاد فاطمہ سے ہے۔ (سنن ابو داؤد ص۱۰۷، ج ۴)
ابوداؤد کی اس روایت سے جو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے ثابت ہوا کہ امام مہدی علیہ السلام امام حسن مجتبیٰ کی اولاد سے ہوں گے جو کہ قیامت کے قریب تشریف لائیں گے۔ امام مہدی کے ظہور کے بارے میں ابوداؤد کے علاوہ دیگر محدثین نے حدیث مہدی کو اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ ان کے اسماء گرامی بمعہ کتابوں کے درج ذیل مذکور ہیں۔

① امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ (مستدرک)
② امام عبدالرزاق المتوفی ۲۱۱ھ مصنف عبدالرزاق۔
③ محمد بن یزید قزوینی ابن ماجہ المتوفی ۲۷۵ھ، سنن ابن ماجہ
④ امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ، مسند احمد بن حنبل
⑤ ابوالقاسم طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، معجم طبرانی
⑥ محمد بن عیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۹۷ھ، سنن ترمذی۔
⑦ ابوسلیمان محمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ، معالم السنن
⑧ حسین بن مسعود فرا البغوی المتوفی ۵۱۰ھ، مصابیح السنۃ۔
⑨ مجدالدین المبارک محمد بن عبدالکریم ابن اثیر جزری المتوفی ۶۰۶ھ جامع الاصول۔
⑩ محمد بن علی بن محمد بن احمد محی الدین ابن عربی شیخ المتوفی ۶۳۸ھ فتوحات مکیہ۔
⑪ کمال الدین محمد بن طلحہ بن محمد بن الحسن القرشی المتوفی ۶۵۲ھ مطالب السؤل

(۱۲) سبط ابن جوزی المتوفی ۶۵۴ھ، تذکرۃ الخواص۔
(۱۳) عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ، مختصر سنن ابوداؤد
(۱۴) محمد بن احمد بن ابوبکر ابوعبداللہ قرطبی المتوفی ۶۷۱ھ تذکرۃ القرطبی
(۱۵) شمس الدین خلکان المتوفی ۶۸۱ھ وفیات الاعیان
(۱۶) محب الدین احمد بن عبداللہ بن محمد طبری المتوفی ۶۹۴ھ، ذخائر العقبیٰ۔
(۱۷) شیخ الاسلام ابراہیم بن سعد الدین الحموئی الخراسانی المتوفی ۷۳۲ھ، فرائد السمطین۔
(۱۸) ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی المتوفی ۷۴۱ھ مشکوٰۃ المصابیح
(۱۹) سراج الدین عمر بن منظفر الحسینی الشافعی ابن الوردی المتوفی ۷۴۹ھ خریدۃ العجائب۔
(۲۰) شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر بن ایوب ابن القیم الدمشقی جوزی المتوفی ۷۵۱ھ المنار المنیف۔
(۲۱) ابوالفداء اسماعیل بن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ، کتاب النہایہ
(۲۲) سید علی بن شہاب بن محمد الحسینی نزیل ھند المتوفی ۷۸۶ھ مودۃ القربیٰ
(۲۳) مسعود بن عمر بن عبداللہ سعد الدین تفتازانی المتوفی ۷۹۳ھ شرح مقاصد
(۲۴) نورالدین علی بن ابوبکر الھیثمی المتوفی ۸۰۷ھ مجمع الزوائد موارد الظمان
(۲۵) نورالدین علی بن محمد بن احمد بن صباغ المالکی المتوفی ۸۵۵ھ، الفصول المہمہ۔
(۲۶) جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین ابوبکر مصری سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ العرف الوردی۔
(۲۷) شمس الدین محمد بن علی بن محمد بن طولون دمشقی حنفی المتوفی ۹۵۳ھ

ائمۂ اثنا عشر۔

(۲۸) عبدالوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ الیواقیت والجواہر

(۲۹) شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن حجر الھیتمی المکی المتوفی ۹۷۴ھ، صواعق محرقہ۔ الفتاوی الحدیثیہ۔

(۳۰) علاؤالدین علی متقی بن حسام الدین الھندی البرھان پوری المتوفی ۹۷۵ھ کنز العمال۔

(۳۱) ابوالعباس احمد بن یوسف بن احمد دمشقی المتوفی ۱۰۱۹ھ، اخبار الدول۔

(۳۲) علی بن سلطان محمد الھروی القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات شرح مشکوٰۃ۔

(۳۳) محمد بن عبدالرسول بن عبدالسید الحسنی البرزنجی الشافعی المتوفی ۱۱۰۳ھ الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ۔

(۳۴) احمد بن علی بن عمر بن صالح شہاب الدین ابوالنجاح الحنفی المتوفی ۱۱۷۳ھ فتح المنان۔

(۳۵) شمس الدین محمد بن احمد سالم السفارینی النابلسی المتوفی ۱۱۸۸ھ، لوائح الانوار الالھیہ۔

(۳۶) محمد علی الصبان المصری المتوفی ۱۲۰۶ھ، اسعاف الراغبین۔

(۳۷) مومن الشبلنجی المتوفی ۱۲۹۰ھ، نورالابصار۔

(۳۸) عبدالروف مناوی المتوفی ۱۳۱۰ھ، فیض القدیر۔

(۳۹) حسن مصری مالکی المتوفی ۱۳۰۳ھ مشارق الانوار

(۴۰) محمد صدیق بن حسن بن علی قنوجی ھندی المتوفی ۱۳۰۷ھ، الاذاعۃ لما کان ومایکون بین یدی الساعۃ۔

(۴۱) علامہ شہاب الدین احمد بن محمد اسماعیل الحلوانی الخلیجی الشافعی المتوفی ۱۳۰۸ھ اوصاف المہدی۔

(۴۲) محمد البلبیسی بن محمد بن احمد الحسینی المصری الشافعی المتوفی ۱۳۰۸ھ العطر الوردی۔

(۴۳) السید خیر الدین ابو البرکات نعمان آفندی الحنفی المتوفی ۱۳۱۰ھ، غایتہ المواعظ۔

(۴۴) شمس الحق عظیم آبادی ھندی المتوفی ۱۲۷۳ھ عون المعبود شرح ابوداؤد۔

(۴۵) ابوعبداللہ محمد بن جعفر بن ادریس بن محمد کتانی الفاسی المالکی المتوفی ۱۳۴۵ھ نظم المتناثر۔

(۴۶) محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم زین الدین مبارکپوری المتوفی ۱۳۵۳ھ، تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی۔

(۴۷) محمد الخضر الحسین المصری المتوفی ۱۳۷۷ھ، نظرہ فی احادیث المہدی۔

(۴۸) الشیخ منصور علی المتوفی ۱۳۷۱ھ، التاج جامع الاصول۔

(۴۹) احمد بن محمد الصدیق الحسنی الازہری المغربی المتوفی ۱۳۸۰ھ۔ ابراز الوھم المکنون من کلام ابن خلدون۔

(۵۰) الشیخ ناصر الدین البانی حول المہدی

(۵۱) ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ، مصنف ابن ابی شیبہ

(۵۲) نعیم بن حماد المتوفی ۲۲۹ھ، کتاب الفتن

(۵۳) الشیخ الماوردی المتوفی ۳۱۰ھ، معرفۃ الصحابہ

(۵۴) امام دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ۔ افراد

(۵۵) ابن حبان المتوفی سنہ ۳۵۴ھ، صحیح ابن حبان۔
(۵۶) ابویعلیٰ موصلی المتوفی سنہ ۳۰۷ھ، مسند ابویعلیٰ
(۵۷) ابوبکر بزار المتوفی سنہ ۲۹۲ھ، مسند بزار
(۵۸) خطیب بغدادی المتوفی سنہ ۴۶۲ھ، المتفق والمفترق
(۵۹) علامہ ابن عساکر المتوفی سنہ ۵۷۱ھ، تاریخ ابن عساکر
(۶۰) علامہ ابن مندہ المتوفی سنہ ۵۱۱ھ، تاریخ اصبہان
(۶۱) علامہ ابوالحسن حربی المتوفی سنہ ھ حربیات
(۶۲) علامہ تمام رازی المتوفی سنہ ۴۱۴ھ۔ فوائد
(۶۳) ابن جریر المتوفی سنہ ۳۱۰ھ، تہذیب
(۶۴) ابوبکر بن المقری المتوفی سنہ ۳۸۱ھ، معجم مقری
(۶۵) ابوبکر دانی المتوفی سنہ ھ، سنن
(۶۶) ابوغنم الکوفی المتوفی سنہ ھ، کتاب الفتن۔
(۶۷) علامہ دیلمی المتوفی سنہ ۵۵۸ھ، مسند فردوس
(۶۸) ابوبکر اسکاف المتوفی سنہ ۲۷۳ھ فوائد الاخبار
(۶۹) ابوالحسین بن المنادی المتوفی سنہ ھ، کتاب الملاحم
(۷۰) حافظ بیہقی المتوفی سنہ ۴۵۵ھ، دلائل النبوۃ
(۷۱) ابوعمرو المقری المتوفی سنہ ھ سنن
(۷۲) ابن جوزی المتوفی سنہ ۵۹۷ھ، تاریخ
(۷۳) یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی المتوفی سنہ ۲۲۸ھ، مسند
(۷۴) علامہ الرویانی المتوفی سنہ ۳۰۷ھ، مسند
(۷۵) علامہ ابن سعد المتوفی سنہ ۲۳۰ھ، طبقات ابن سعد۔

(۷۶) ابوبکر بن خثیمہ زہیر بن حرب المتوفی ۲۳۴ھ
(۷۷) ابن خذیمہ المتوفی ۳۱۱ھ
(۷۸) حسن بن سفیان المتوفی ۳۰۳ھ
(۷۹) محدث ابو عوانہ المتوفی ۳۱۶ھ
(۸۰) عمر بن شعبہ المتوفی ۲۶۲ھ

ان مذکورہ بالا محدثین کے علاوہ دیگر محدثین اور علماء کرام نے حدیث مہدی کو اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ تقریباً بارہ محدثین نے حدیث مہدی کو متواترات سے شمار کیا ہے۔ نیز حدیث مہدی کو متعدد صحابہ کرام نے روایت کیا ہے جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت علی بن ابی طالب المتوفی ۴۰ھ
(۲) حضرت عثمان بن عفان المتوفی ۳۵ھ
(۳) طلحہ بن عبید اللہ المتوفی ۳۶ھ
(۴) عبدالرحمان بن عوف المتوفی ۳۲ھ
(۵) امام حسین بن علی الشہید المتوفی ۶۱ھ
(۶) اُم سلمہ المتوفاۃ ۴۲ھ
(۷) اُم المؤمنین اُم حبیبہ المتوفاۃ ۴۲ھ
(۸) عبداللہ بن عباس المتوفی ۶۸ھ
(۹) عبداللہ بن عمر بن خطاب المتوفی ۷۳ھ
(۱۰) عبداللہ بن عمرو بن عاص المتوفی ۶۳ھ
(۱۱) ابوسعید خدری المتوفی ۷۴ھ
(۱۲) عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ

(۱۳) جابر بن عبداللہ المتوفی ۷۸ھ
(۱۴) ابوہریرۃ المتوفی ۵۸ھ
(۱۵) انس بن مالک المتوفی ۹۳ھ
(۱۶) عمار بن یاسر المتوفی ۳۷ھ
(۱۷) عوف بن مالک المتوفی ۷۳ھ
(۱۸) ثوبان المتوفی ۵۴ھ
(۱۹) قرہ بن ایاس المتوفی ۶۴ھ
(۲۰) حذیفہ بن یمان المتوفی ۳۶ھ
(۲۱) عبداللہ بن حارث بن حمزہ المتوفی سنہ ھ
(۲۲) عمران بن حصین المتوفی ۵۲ھ
(۲۳) ابوالطفیل المتوفی ۱۱۰ھ
(۲۴) وغیرہم رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام، محدثین اور علماء کرام کے اقوال سے ثابت ہوا کہ امام مہدی علیہ السلام قرب قیامت ظہور فرمائیں گے۔ امام مہدی حضرت فاطمۃ الزہراء کی اولاد اور ذریت امام حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب سے ہوں گے۔ امام مہدی قیامت کے شرائط سے ایک ہیں اسی لیے محدثین نے شرائط الساعۃ یعنی قیامت کی شرطوں کے باب میں امام مہدی علیہ السلام کا ذکر کیا ہے کہ جیسے دیگر قیامت کے علامات ہیں اسی طرح امام مہدی علیہ السلام بھی قیامت کے علامات سے ہیں۔

علامہ خیرالدین آفندی حنفی المتوفی ۱۳۱۷ھ لکھتے ہیں کہ امام مہدی قرب قیامت مدینہ منورہ میں پیدا ہوں گے اور بیت المقدس کی طرف ہجرت

کریں گے اور لوگ، آپ کی بیعت مکہ مکرمہ میں حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان یعنی حطیم میں عاشورہ کی رات میں کریں گے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ امام مہدی کی امداد کے لیے تین ہزار فرشتے آئیں گے اور آپ کے پاس ملک شام سے ابدال اور مصر سے نجباء اور مشرق سے جماعتوں کی جماعتیں آئیں گی اور آپ سے بیعت کریں گے پھر امام مہدی علیہ السلام اپنے اسلامی لشکر کو لے کر ملک شام کی طرف روانہ ہوں گے اور آپ کے لشکر کے مقدمہ پر جبریل علیہ السلام ہوں گے اور میمنہ اور میسرہ پر بھی ملائکہ مقربین سے ہوں گے اور اصحاب کہف بھی آپ کے لشکر میں شمولیت کریں گے۔ جب امام مہدی لشکر لے کر روانہ ہوں گے تو آپ کے مقابلے کے لیے اہل شام سے ایک لشکر نکلے گا۔ اس لشکر کا نام سفیانی لشکر ہوگا۔ یہ لوگ خالد بن یزید بن ابی سفیان کی اولاد سے ہوں گے اور یہ خالد لمبے سر والا چیچک کے چہرے والا اور سفید آنکھوں والا تھا۔ یہ لشکر ایک چٹیل میدان میں زمین میں غرق ہو جائے گا۔

ملا علی قاری حنفی نے بحوالہ محدث تورپشتی ذکر کیا ہے کہ یہ میدان حرمین شریفین کے درمیان ہے (مرقات شرح مشکوٰۃ ص۱۸۱ ج ۵)

جب یہ لشکر غرق ہو جائے گا اور صرف ایک آدمی ان سے بچے گا جو ان کی ہلاکت کی خبر لوگوں تک پہنچائے گا۔ اس لشکر کا تباہ ہونا امام مہدی علیہ السلام کی کرامت ہوگا۔ جب لوگوں کو اس کرامت کا علم ہوگا تو اور لوگ بھی آپ کے لشکر میں شامل ہوتے جائیں گے۔ نیز ابدال و اولیاء کی جماعت جن کی تعداد ستر۷۰ سے چالیس۴۰ شام میں رہتے ہیں، اور

تیس[۳۰] دوسرے مقامات میں جب ان سے کوئی وفات پاتا ہے تو دوسرے مسلمانوں میں سے کسی کو اس کی جگہ مقرر کیا جاتا ہے اس لیے ان کو ابدال کہتے ہیں۔ یہ بھی امام مہدی کے لشکر میں شامل ہوں گے۔ جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص میں رضا بالقدر والقضاء اور بُری باتوں سے زبان کو روکنا اور اللہ تعالےٰ کے لیے غصہ کرنا پایا جائے وہ ان شاء اللہ ابدال ہوگا۔

علامہ غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ جو شخص روزانہ تین بار یہ دُعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّةِ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اَللّٰهُمَّ تَجَاوَزْ عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ۔

تو ان شاء اللہ ابدال ہوگا۔ امام مہدی کے لشکر میں دنیا کے حکمران شامل ہوں گے اور حاکم، بادشاہ اطاعت قبول کرلیں گے اور آپ جب دمشق میں پہنچیں گے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام آپ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے پھر عیسٰی علیہ السلام دجال کے قتل کے لیے نکلیں گے تو امام مہدی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی مدد کریں گے اور امام مہدی جب فوت ہوں گے تو عیسٰی علیہ السلام آپ کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور بیت المقدس میں آپ کو دفن کریں گے۔

(غایۃ المواعظ صہ۸۲)

اور امام مہدی کی وفات کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام چالیس سال زندہ رہیں گے اور ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں عبداللہ بن عمر سے

روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح کریں گے، سیرت حلبیہ میں ہے کہ یمن کے قبیلہ جذام کی عورت سے نکاح کریں گے۔ دو لڑکے ہوں گے ایک کا نام محمد ہوگا اور دوسرے کا نام موسیٰ ہوگا اور آپ جب فوت ہوں گے تو آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور میں دفن کیا جائے گا۔ (عطر الوردی صد۳۷)

امام مہدی علیہ السلام کا قرب قیامت پیدا ہونا اور آپ کا ظاہر ہونا چونکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے لہذا اہل سنت وجماعت کے نزدیک آپ کے ظہور پر عقیدہ رکھنا واجب اور ضروری ہے۔

علامہ ابوالقاسم سہیلی نے شرح سیرت حلبیہ میں ذکر کیا ہے کہ امام مہدی کا انکار کفر ہے۔ نیز علامہ سفارینی نے لکھا ہے۔

فالایمان بخروج المہدی واجب کما ھومقرر عند اھل العلم ومدون فی عقائد اھل السنۃ والجماعۃ

(الرد علیٰ من کذب صد۱۵)

کہ امام مہدی کے ظہور پر ایمان لانا واجب ہے جیسے کہ اہل علم کے نزدیک ثابت ہے اور اہل سنت والجماعت کے عقائد میں موجود ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام محمد مہدی علیہ السلام کے ظہور پر ایمان رکھنا واجب اور ضروری ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام مہدی علیہ السلام قرب قیامت تشریف لائیں گے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء کی اولاد اور امام حسن مجتبیٰ کی ذریت سے ہوں گے۔ چنانچہ پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا نے اپنے بیٹے امام حسن مجتبیٰ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

ان ابنی ھذا سید کما سماہ النبی وسیخرج من صلبہ رجل یسمٰی باسم نبیکم یشبیہ فی الخلق ولا یشبیہ فی الخلق

اب اس سے ثابت ہے کہ امام مہدی امام حسن مجتبٰی کی اولاد سے ہوں گے۔ یہ روایات واحادیث صحیحہ اس پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت اور آپ کی عترت (اولاد) قیامت تک ہوگی۔ اس میں انقطاع نہیں ہوگا بلکہ اتصال ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا نسب متصل اور موصول ہے۔

چنانچہ امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

وان الانساب تنقطع یوم القیامۃ غیر نسبی وسببی وصھری۔ (مستدرک صہ۱۵۸ تلخیص ذہبی صہ۱۵۸ ج ۳)

کہ تمام نسب قیامت کے دن منقطع ہوجائیں گے مگر میرا نسب اور تعلق اور دامادی کا رشتہ باقی رہے گا۔ اور طبرانی نے کبیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

کل سبب ونسب ینقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی

(محبت آل بیت النبی صہ۲۴)

اب اس سے ظاہر ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب قیامت کے دن بھی منقطع نہیں ہوگا۔ یہ صرف حضور پاک کے نسب کی خصوصیت ہے اور حضور پاک کا نسب دوسرے لوگوں کے نسب سے ممتاز وجدا ہے اور اس کے احکام بھی دوسرے لوگوں کے نسب سے جدا ہیں۔

چنانچہ علامہ یوسف نبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں۔

ویتفرع علی ھذا انھم لا یکافئھم احد من الناس وبہ صرح غیر واحد من الائمۃ قال الجلال السیوطی فی الخصائص ومن خصائصہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آلہ لا یکافئھم فی النکاح احد من الخلق۔

(الشرف المؤبد صہ۳۵۹)

اور اس مسئلہ پر مبنی ہے کہ نکاح میں ان کا کوئی ہم کفؤ نہیں ہے متعدد اماموں نے اس کی تصریح کی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ میں کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ کوئی مخلوق سے نکاح میں آپ کے اہل بیت کا ہم کفؤ نہیں ہے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا نسب آپ کی بیٹی سیّدۃ فاطمۃ الزہراء سے چلا ہے، اور حضرت فاطمۃ الزہراء کی اولاد قیامت تک جو ہے وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہے

چنانچہ رئیس الحنفیہ ملّا علی قاری لکھتے ہیں۔

ولم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقب الا من ابنتہ فاطمۃ رضی اللہ عنھا فانتشر نسلہ الشریف منھا فقط من جھۃ السبطین اعنی الحسنین۔

(شرح فقہ اکبر صنہ۹۰)

کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد صرف آپ کی بیٹی فاطمہ

سے ہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل پاک صرف حسنین کریمین سے ہی ہے، حسنین کریمین کا اور ان کی اولاد کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہونا بے شمار نصوص سے ثابت ہے۔

چنانچہ طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۳ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر عورت کی اولاد کا عصبہ ان کے باپ کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔

ما خلا ولد فاطمة فانی انا عصبتهم وانا ابوهم

سوائے اولاد فاطمہ کے کہ میں ان کا عصبہ اور باپ ہوں۔

اور طبرانی نے حضرت فاطمۃ الزہراء المتوفاۃ ۱۱ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ماں کی اولاد اپنے عصبوں کی طرف نسبت ہوتی ہے سوائے اولاد فاطمہ کے۔ فانا ولیهم وانا عصبتهم۔ کہ میں ان کا ولی ہوں اور میں ان کا عصبہ ہوں اور حاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ المتوفی ۷۸ھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ماں کے بیٹوں کے لیے عصبہ ہوتے ہیں الا ابنی فاطمة فانا ولیهما وعصبتهما مگر حضرت فاطمہ کے دو بیٹوں حسن اور حسین کا میں ولی اور عصبہ ہوں اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل پاک حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء کے دو بیٹوں حسن اور حسین سے چلی ہے اور یہ حضور کے بیٹے ہیں اور حضور پاک ان کے باپ ہیں۔

اور تفسیر ضیاء القرآن میں ہے کہ ہر جگہ مسلم دستور یہ ہے کہ نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے نہ کہ ماں کی طرف سے مثلاً اگر باپ گوندل ہو اور ماں

راجپوت ہو تو اس کے بطن سے جو اولاد ہوگی وہ گوندل کہلائے گی نہ کہ راجپوت اس بین الاقوامی قاعدہ کے مطابق حضرت سیّدنا علی کے فرزندان ارجمند حضرت ابو طالب کی اولاد اور نسل سے شمار ہونا چاہیے تھے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور نسل سے، لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس طرح دیگر بے شمار خصوصیات سے نوازا ہے یہ خصوصیت بھی بخشی ہے کہ حضرت سیّدنا علی کی اولاد حضرت سیّدہ فاطمۃ طاہرہ کے بطن سے اولاد مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء شمار ہوئی نہ کہ ذریت ابو طالب۔

(تفسیر ضیاء القرآن پ ۲۲۔ احزاب ۲۳)

جب حضور پاک کی نسل پاک حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء سے چلی ہے اسی لیے ان کو ذریت رسول کہا جاتا ہے۔ ذریت ابو طالب نہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو خصائص ہیں وہ حضور پاک کے ساتھ مختص ہیں۔ خصوصیت اور خاصہ کا معنےٰ ہی یہ ہے جس کا وہ خاصہ ہے اسی کے ساتھ مختص ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن جامی المتوفی ۸۹۸ھ خاصہ کا معنے لکھتے ہیں۔

خاصۃ الشی مایختص بہ ولا یوجد فی غیرہ۔

(شرح جامی صد ۱۳۱)

چیز کا خاصہ وہ ہے جو اس کے ساتھ مختص ہو اور اس کے سوا غیر میں نہ پایا جائے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو خصائص ہیں وہ حضور پاک کے ساتھ مختص ہیں۔ کسی دوسرے میں نہیں پائے جائیں گے اور نہ ہی ان میں لوگوں کے عرف اور اصطلاحات کا اعتبار ہوگا چونکہ حضور

پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا سے چلا ہے اس لیے امام حسن اور امام حسین اور آگے ان کی اولاد حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقتاً بیٹے ہیں مجازاً نہیں اور بعض لوگ غلط فہمی کی بنا پر کہتے ہیں کہ حقیقت میں اہل بیت اور اولاد اور آل وہی لوگ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے موجود تھے اور ان کی اولاد اور اولاد در اولاد کو جو اہل بیت اور آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے تو مجازاً اور ادباً۔ ان بعض لوگوں نے غلطی کی وجہ سے یہ کہہ دیا ہے کہ جو حضور پاک کے سامنے موجود تھے یعنی حسنین کریمین، حضرت علی، حضرت فاطمۃ الزہراء صرف وہی اہل بیت حقیقی ہیں باقی حسنین کریمین کی اولاد (بنو فاطمۃ سادات کرام) یہ اہل بیت مجازی طور پر ہیں ان کو اگر اہل بیت اور آل نبی کہا جاتا ہے تو بطور ادب کے کہا جاتا ہے ورنہ حقیقتہً یہ اہل بیت اور آل نبی نہیں ہیں۔ یہ ان لوگوں کی صریح غلطی ہے۔

کیونکہ حسنین کریمین کی اولاد قیامت تک جو ہے وہ تمام اہل بیت اور آل نبی حقیقتاً ہیں مجازاً نہیں ہیں۔ کیونکہ اولاد فاطمہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہونا حضور پاک کے خصوصیات میں سے ہے اور حضور پاک کے جتنے خصائص ہیں وہ تمام حقیقی ہیں۔ حضور پاک کا کوئی خاصہ بھی مجازی نہیں ہے۔ حقیقت اور مجاز کا معنے بھی پڑھ لیجیے۔

لفظ کی دو قسم ہیں۔ مفرد اور مرکب

علماء مناطقہ لکھتے ہیں کہ مفرد کی سات قسمیں ہیں۔

(۱) جزئی حقیقی

(۲) متواطی

(۳) مشکک
(۴) مشترک
(۵) منقول
(۶) حقیقت
(۷) مجاز

اگر مفرد کا معنےٰ ایک ہو تو اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) جزءی۔ جس کو علم بھی کہتے ہیں اس کا معنےٰ متعین اور مشخص ہوتا ہے جیسے زید، ھذا اور ھو ہے۔

(۲) (کلی) متواطی وہ ہے جس کا معنے واحد اور مشخص نہ ہو بلکہ اس کے افراد کثیرہ ہوں اور معنے اپنے تمام افراد پر برابر صادق ہو جس طرح انسان اپنے تمام افراد زید، عمرو بکر پر برابر صادق آتا ہے اپنے تمام افراد پر برابر صادق آنے کی وجہ سے متواطی کہلاتا ہے۔

(۳) مشکک وہ ہے کہ جسکا معنیٰ تمام افراد پر برابر صادق نہ ہو بلکہ بعض افراد پر اول صادق ہو۔ اور بعض افراد پر ثانیاً صادق ہو جیسے کہ وجود باعتبار واجب تعالےٰ اور باعتبار ممکن کے یعنی وجود کا ثبوت واجب تعالےٰ کے لیے اوّلاً اور بالذات ہے اور ممکن کے لیے ثانیاً اور بالغیر ہے کہ ممکن کو وجود واجب تعالےٰ کے عنایت کرنے سے ملا ہے اور اس کو مشکک اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے افراد اصل معنے میں مشترک ہوتے ہیں مگر شدت اور ضعف اور زیادت و نقصان وغیرہ میں متفاوت ہوتے ہیں۔ اگر بادی النظر میں کوئی دیکھے تو اس کے متواطی اور مشکک ہونے کا فیصلہ نہیں کرسکتا کیونکہ اصل معنے کو اگر دیکھے تو تواطی معلوم ہوتا ہے اور شدت وضعف، اول اور ثانویت

وغیرہ کے لحاظ سے دیکھے تو تشکیک معلوم ہوتی ہے اور ناظر اس کے متواطی یا مشکک ہونے کا فیصلہ کرنے میں متحیر ہوجاتا ہے اور اگر مفرد کے معنے کثیر ہوں اور وہ ہر معنے کے لیے ابتداءً الگ الگ چند اوضاع کے ساتھ وضع کیا گیا ہو تو اس کا نام مشترک ہے جیسے لفظ عین کہ کبھی بہ ذہب (سونے) کے لیے اور کبھی آنکھ وغیرہ کے لیے وضع کیا گیا ہے اس کو مشترک اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں اشتراک فی المعانی ہوتا ہے۔ اگر ہر معنے کے لیے ابتداءً وضع نہ ہو بلکہ اولاً صرف ایک معنے کے لیے وضع ہو پھر اس کا استعمال دوسرے معنے میں بھی دونوں معنوں میں مناسبت کے سبب استعمال ہونے لگا ہو تو اگر دوسرے معنے میں مشہور ہوگیا ہو اور پہلے معنے متروک ہوچکے ہوں تو اس کا نام منقول ہے۔ یعنی مفرد اپنے پہلے معنے موضوع لہ کو چھوڑ کر اگر وہ دوسرے معنے میں اتنا مشہور اور استعمال ہونے لگے کہ بغیر کسی قرینے کے دوسرے معنے کی طرف ذہن پہنچ جائے تو اس کو منقول کہتے ہیں۔ بوجہ معنے اوّل کے نقل سے دوسرے معنے کی طرف منقول ہے اور اگر دوسرے معنے میں مشہور نہ ہو اور نہ پہلے معنے متروک ہوں بلکہ کبھی پہلے میں استعمال ہوتا ہو اور کبھی دوسرے معنے میں تو پہلے معنے کے اعتبار سے لفظ حقیقت اور دوسرے کے اعتبار سے مجاز ہے۔ جیسے اسد پھاڑنے والے جانور اور مرد بہادر کے اعتبار سے کہ یہ ہی اسد (شیر) پہلے معنے کے اعتبار سے حقیقت ہے اور دوسرے معنے کے اعتبار سے مجاز ہے۔ اور حقیقت کا لفظ حق سے مشتق ہے جس کا معنے ثابت ہونے کے ہیں۔ اور اس میں تاؔ نقل کی ہے۔ یعنی حقیقت کو جب لغوی معنے سے

علم کی طرف نقل کیا تو اس کے آخر میں تا اسمیت لگا دی اور اشتقاق کے معنے اس میں ملحوظ نہ رہے چونکہ یہ حق سے مشتق ہے جس کے معنے ثبوت کے ہیں اس لیے مفرد منکشرالمعنے کو اس حقیقت کے نام سے موسوم کیا گیا کیونکہ اس میں لفظ اپنے اصل موضوع کے لیے ثابت رہتا ہے اور مجاز کو مجاز اس لیے کہتے ہیں کہ یہ جاز الشئ یجوز سے ماخوذ ہے جس کے معنے آگے بڑھ جانے کے ہیں۔

چونکہ مجاز میں پہلا موضوع لہ باقی نہیں رہتا اور لفظ موضوع بمعنے ثانی کی طرف بڑھ جاتا ہے اس لیے اس کو مجاز کہتے ہیں اور مجاز کے لیے یہ ضروری ہے کہ معنٔے اول اور معنے ثانی میں کوئی علاقہ ہوتا ہے تاکہ غلط اور مجاز میں فرق ہو جائے۔ باقی یہ کہ ایسے علاقے کتنے ہیں جن کے ہونے سے مجاز مراد لینا صحیح ہو سکے۔

بعض نے یہ علاقے پچیس بتائے ہیں، صاحب توضیح نے ان کو نو۹ میں ضبط کیا ہے۔ اور ابن حاجب نے پانچ میں ضبط کیا ہے۔ اور حقیقی اور مجازی معنے میں فرق یہ ہے کہ لفظ سے حقیقی معنے ساقط نہیں ہوتے اور اپنے مصداق سے ہٹتے نہیں۔ بخلاف معنے مجازی کے وہ ساقط ہو جاتے ہیں اور مصداق سے ہٹ جاتے ہیں۔

چنانچہ علماء اصول لکھتے ہیں والحقیقة لاتسقط عن المسمّٰی بخلاف المجاز۔ جیسے کہ اسد (حیوان مفترس) اس کو شیر کہنا ہی درست ہے۔ اس سے شیر کی نفی درست نہیں ہے بخلاف رجل شجاع (بہادر شخص) کے اس کے بارے میں شیر کہنا بھی صحیح ہے اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ شیر نہیں ہے۔ ومتیٰ امکن العمل بہا سقط

المجاز۔ (نور الانوار صہ ۱۳۹)

اور جب معنے حقیقی پر عمل کرنا ممکن ہوگا تو معنے مجازی ساقط ہوجائیں گے کیونکہ معنئ مجازی مستعار دوسرے سے لیے گئے ہیں اور جو چیز مستعار ہوتی ہے وہ اصل کی مزاحم نہیں ہوتی۔ اہل بلاغت کے نزدیک ایک لفظ کے اصلی معنے کو دوسرے معنوں میں استعمال کرنا استعارہ کہلاتا ہے، استعارہ مجاز کی ایک قسم ہے کیونکہ ان کے نزدیک اگر مجاز میں تشبیہ کا علاقہ ہو تو استعارہ ہے۔ اگر اس میں تشبیہ کے سوا کوئی اور علاقہ ہو۔ مشہور پچیس علاقوں میں سے ہو جیسے سببیت اور مسببیت، حال اور محل۔ لازم اور ملزوم، کل اور جزء، مطلق اور مقید، خاص اور عام وغیرہ کے علاقے تو اس کو مجاز مرسل کہتے ہیں اور علماء اصول کے نزدیک استعارہ اور مجاز مترادف ہیں۔

قاضی محب اللہ بہاری المتوفی ۱۱۱۹ھ سلّم العلوم میں لکھتے ہیں۔

وعلامة الحقيقة التبادر والعراء عن القرينة وعلامة المجاز الاطلاق على المستحيل او استعمال اللفظ في بعض المسمٰى كالدابة على الحمار۔

(سلم العلوم صہ ۷۷)

یعنی حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے بڑی علامت یہ ہے کہ اطلاق لفظ کے ساتھ ہی ذہن اس معنے کی طرف متبادر ہو جائے اور قرینہ سے بھی خالی ہو، اور مجاز کی علامت محال پر اطلاق کرنا ہے اسی طرح لفظ کو اپنے بعض مسمّٰی پر اطلاق کرنا ہے۔

پہلی مثال زید پر اسد کا اطلاق کرنا ہے۔ اور دوسرے کی مثال حمار

پر دابہ کا اطلاق کرنا ہے اس سے ثابت ہوا کہ جب حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو تو مجاز مراد نہیں لیا جا سکتا۔

امام حسن اور امام حسین کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا ہونا اور ان کی اولاد در اولاد کا ذریت رسول ہونا یہ حضور پاک کے خواص میں سے ہے اور حضور پاک کے جتنے خواص ہیں وہ تمام حضور پاک کے حقیقی خواص ہیں جب خواص کا حقیقی ہونا صرف ممکن ہی نہیں بلکہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہے تو اب مجاز لینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے اور اب یہ کہنا کہ حضور پاک کی اہل بیت اور اولاد حقیقتہً صرف وہی ہیں جو حضور پاک کے سامنے موجود تھے۔ آگے ان کی اولاد در اولاد بطور مجاز اور ادب کے ہے۔ یہ صریح غلط ہے۔ کیونکہ یہ حضور پاک کے خواص میں سے ہے اور حضور پاک کے تمام خواص حقیقی ہیں کوئی خاصہ بھی مجازی نہیں ہے۔ نیز رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بیٹے ہونے اور اولاد و اہل بیت ہونے کی تصریح فرمائی ہے جو کہ واضح طور پر حقیقت پر دلالت ہے۔

چنانچہ ابو جعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ، اپنی سند کے ساتھ ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

نزلت هذه الآية فی بيتی انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا فقلت يا رسول الله الست من اهل البيت فقال انت علی خير انک من ازواج النبی وفی البيت علی وفاطمة والحسن والحسين۔

کہ یہ آیت تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی اور گھر میں حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں فرمایا تم خیر اور بہتری پر ہو تم نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ازواج مطہرات سے ہو نیز حضرت اُم سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء کھانا لے کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائیں، حضور پاک نے حضرت فاطمہ طاہرہ کو فرمایا۔

ائتنی باولادی وابنی وابن عمک

کہ تم میری اولاد اور بیٹوں اور حضرت علی کو بلاؤ۔ چنانچہ حضرت فاطمہ نے ان کو بلایا اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اپنی چادر مبارک ڈال کر فرمایا۔

ھؤلاء اھل بیتی وحامتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا۔

کہ یہ میرے اہل بیت اور میرے حمایتی ہیں۔ اے اللہ ان سے ناپسندیدگی کو دور رکھ اور ان کو مکمل طور پر پاک فرما۔ حضرت اُم سلمہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی ان کے ساتھ ہوں فرمایا نہیں بلکہ تم نبی کے ازواج میں سے ہو اور تم خیر پر ہو یا خیر کی طرف ہو اور عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے کہ کہا عمر بن ابی سلمہ نے کہ یہ آیت

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرًا۔

حضرت اُم سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی۔ اُم سلمہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے حسنین اور فاطمہ کو بلایا ان کو اپنے سامنے بٹھایا اور حضرت علی کو بُلا کر اپنے پیچھے بٹھایا۔ پھر ان تمام پر چادر ڈال کر فرمایا۔

اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرًا۔

اے اللہ یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔ ان سے ناپسندیدگی کو دور رکھ اور ان کو خوب پاک فرما۔

حضرت اُم سلمہ نے فرمایا۔

اللھم اجعلنی منھم۔

اے اللہ مجھے بھی ان میں شامل فرما۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

انت مکانک وانت علی خیر۔

کہ تم اپنی جگہ پر رہو اور تم خیر پر ہو۔

(شرح مشکل الآثار صد۲۴۴)

حضرت اُم سلمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء کو فرمایا۔ ائتنی بزوجک وابنیک فجاءت بھم۔ کہ حضرت علی اور اپنے بیٹوں (حسن اور حسین) کو بلاؤ۔ چنانچہ حضرت فاطمہ نے ان کو بلایا اور حضور پاک نے ان پر چادر ڈالی اور ان پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا پھر فرمایا۔

اللھم ان ھولاء آل محمد فاجعل صلواتک وبرکاتک علی آل محمد انك حمید مجید۔

اے اللہ یہ آل محمد ہیں اپنی صلوات اور برکات آل محمد پر نازل فرما

بے شک تو حمید اور مجید ہے۔

قالت ام سلمتہ فرفعت الکساء لادخل معھم۔

حضرت اُم سلمہ نے کہا کہ میں نے چادر کو اٹھایا تاکہ میں ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں مگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر مبارک مجھ سے لی اور فرمایا انك علیٰ خیر کہ تم خیر پر ہو۔

(شرح مشکل الآثار صہ ۲۴۲)

اور ابوالحمراء سے روایت ہے کہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نو ۹ ماہ رہا جب صبح کا وقت ہوتا تو حضور پاک سیّدہ فاطمۃ الزہراؑ علیہا السلام کے مکان کے دروازے پر آتے تو فرماتے تھے۔

السلام علیکم اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

(شرح مشکل الآثار صہ ۲۴۸)

ان روایات واحادیث صحیحہ میں اہل بیت، آل محمد اور عترت کے صریح الفاظ ہیں جو کہ حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔ نیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن اور حسین کو بار بار اپنا بیٹا فرمایا اور کبھی اپنی اولاد فرمایا۔ حضرت علی، حضرت فاطمۃ الزہراء اور حسنین کریمین کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہی میرے اہل بیت ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ مہدی قرب قیامت آئیں گے وہ میری اہل بیت اور عترت سے ہوں گے اور یہ بھی فرمایا کہ وہ ہم اہل بیت سے ہوں گے اور مجھ سے ہوں گے یہ اپنے معنے حقیقی کے ساتھ ہیں کیونکہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء سے آپ کا نسب جاری ہونا اور فاطمۃ الزہراء کی اولاد ہونا اور حضرت مہدی کا آپ کی عترت سے

ہونا اسی طرح حسنین کریمین کی اولاد کا قیامت تک حضور پاک کی اولاد ہونا حضور پاک کے خصائص میں سے ہے جو کہ اپنے معنے حقیقی کے ساتھ ہے۔ معنے مجازی ہرگز نہیں ہے۔ معنے مجازی تب لیا جاتا ہے جب معنے حقیقی نہ بن سکتا ہو یہاں تو بوجہ خصائص کے معنے حقیقی ہے۔ لہٰذا امام حسن اور امام حسین اور آگے ان کی اولاد قیامت تک حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد حقیقتاً ہے یہاں نہ مجاز کا کوئی شائبہ ہے اور نہ ہی مجاز کی کوئی قسم ہے بنو فاطمہ حضور پاک کی حقیقتاً اولاد ہے۔ چنانچہ حضرت علی خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک کی اولاد (سادات کرام) ہیں حضور پاک کا گوشت اور خون سرایت کیے ہوئے ہے۔

فھو بضعۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وللبعض فی الاجلال والتعظیم والتوقیر ما للکل۔

کہ رسول پاک کی اولاد رسول پاک کے جسم کا ٹکڑا اور حصہ ہیں جب حضور پاک کے حصہ اور جزء ہوئے تو عزت وتعظیم میں جو حکم کل کا ہے وہی جزء کا ہے لہٰذا حضور پاک کی اولاد کا حکم عزت و توقیر میں وہی ہے جو رسول پاک کا ہے۔ اگرچہ نسب میں وہ بعید اور دُور ہوں۔

حضرت شیخ ابراہیم رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی سیّد اور آلِ رسول آتا تو وہ اس کے سامنے نہایت انکساری اور عاجزی سے بیٹھتے اور فرماتے۔

انہ بضعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کہ یہ اولاد رسول حضور پاک کے جسم کا ٹکڑا اور حصہ ہیں لہٰذا اس کی عزت حضور پاک کی عزت ہے اور اس کو اذیت وتکلیف دینا حضور پاک کو

تکلیف دینا ہے۔ (نورالابصار صـ۲۰۳)

حضور پاک کی اولاد کا حضور پاک کے جسم کا حصہ ہونا اور حضور پاک کے خون کا اپنی اولاد میں سرایت کیے ہونا یہ صراحتہً دلالت کرتا ہے کہ حضور پاک کی اولاد قیامت تک حقیقتہً اولاد ہے مجازی اولاد نہیں ہے۔

علامہ محمد صبان المتوفی ۱۲۰۶ھ اسعاف الراغبین میں لکھتے ہیں۔

ومنها ان اولاد فاطمة وذريتهم يسمون ابناء ه صلى الله عليه وآله وسلم وينسبون اليه نسبة صحيحة اخرج الطبرانى مرفوعا ان الله عزوجل جعل ذرية كل نبى فى صلبه وان الله تعالىٰ جعل ذريتى فى صلب على بن ابى طالب واخرج الطبرانى وغيره انه صلى الله عليه وآله وسلم قال كل بنى ام ينتمون الى عصبة الا ولد فاطمة فانا وليهم وانا عصبتهم وفى رواية صحيحة كل بنى انثىٰ عصبتهم لابيهم ما خلا ولد فاطمة فانى انا ابوهم وعصبتهم وهذه الخصوصية لاولاد فاطمة فقط دون اولاد بقية بناته فلا يطلق عليه صلى الله عليه وآله وسلم انه اب لهم وانهم بنوه كما يطلق ذالك فى اولاد فاطمة۔ (اسعاف الراغبین صـ۵۰)

اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ اولاد فاطمہ حضور پاک کے بیٹے ہیں اور حضور پاک کی طرف نسبت صحیحہ (حقیقیہ) کے ساتھ منسوب ہیں، طبرانی نے مرفوع روایت بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہر نبی کی اولاد اس کی صلب (پشت)

میں رکھی ہے اور اللہ تعالےٰ نے میری اولاد علی بن ابی طالب کی صلب میں رکھی ہے۔

اور طبرانی وغیرہ نے روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ماں کے بیٹے اپنے عصبہ کی طرف نسبت ہوتے ہیں مگر اولاد فاطمہ کہ میں ان کا عصبہ اور ولی ہوں۔

اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ ہر عورت کا بیٹا اس کے باپ کے عصبہ کی طرف منسوب ہے سوائے اولاد فاطمہ کے کہ میں ان کا باپ اور عصبہ ہوں۔ یہ خصوصیت صرف اولاد فاطمہ کے لیے ہے۔ حضور پاک کی دوسری بیٹیوں کی اولاد کے لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ حضور پاک کے بیٹے ہیں اور حضور پاک ان کے باپ ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی اولاد حضور پاک کی طرف منسوب حقیقتاً ہیں مجازاً منسوب نہیں ہیں کیونکہ نسبت صحیحہ نسبت حقیقیہ ہی ہوتی ہے۔ امام مہدی جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سے ہیں اور قرب قیامت تشریف لائیں گے۔ ان کے متعلق حضور پاک نے فرمایا المهدی من ولدی۔

اور ایک روایت میں ہے المهدی منا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مہدی میری عترت میری اہل بیت سے ہوں گے۔ اور سنن ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ مہدی حسن کی اولاد سے ہیں

(اسعاف الراغبین ص۱۵)

امام مہدی حضرت حسن کی اولاد سے ہوں گے۔ ان کے بارے حضور پاک نے فرمایا کہ مہدی میری اولاد سے ہوں گے۔ اب حضور پاک

نے امام مہدی کو جو کہ امام حسن کی اولاد سے ہوں گے ان کو اپنی اولاد کہا تو
سب امام حسن اور امام حسین کی اولاد جو قیامت تک ہے وہ حضور پاک
کی اولاد ہے اور حضور پاک کی طرف نسبت صحیحہ کے ساتھ منسوب ہے
اور حقیقتاً اولاد ہے مجازاً نہیں ہے۔

علامہ محمد صبان لکھتے ہیں کہ۔

ذکروا من خصائصہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
انہ ینسب الیہ اولاد بنت فاطمۃ ولم یذکروا مثل
ذالک فی اولاد بنات بنتہ فجری الامر فیھم علیٰ قاعدۃ
الشرع فی ان الولد یتبع اباہ فی النسب لا امہ ولھذا
جری السلف والخلف علیٰ ان ابن الشریفۃ لا یکون
شریفا اذا لم یکن ابوہ شریفا فاولاد فاطمہ ینسبوان
الیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واولاد الحسن و
الحسین ینسبون الیھما (ای الحسن والحسین) والیہ
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

فقہاء نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ذکر
کیا ہے کہ آپ کی بیٹی فاطمۃ الزہراء کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہے اور
یہ بات آپ کی بیٹی کی بیٹیوں کے اولاد کے بارے ذکر نہیں کی بلکہ بیٹی کے
بیٹوں کے بارے میں قاعدہ شرعیہ کے مطابق ہی فرمایا کہ نسب میں بیٹا
باپ کے تابع ہوتا ہے۔ ماں کے نہیں اسی لیے سلف اور خلف اسی پر
اتفاق رکھتے ہیں کہ سید زادی کا بیٹا سید تب ہو گا جبکہ اس کا باپ بھی
سید ہو اور اولاد فاطمہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہے

اور اولاد حسن اور حسین امام حسن اور حسین کی طرف اور رسول پاک کی طرف منسوب ہیں اور حسن اور حسین کی بہنوں کی اولاد اپنے باپوں کی طرف منسوب ہے۔

چنانچہ سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا کی اولاد عبداللہ بن جعفر کی طرف منسوب ہے۔ رسول پاک کی طرف منسوب نہیں ہے یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی اولاد رسول پاک کی اولاد ہے اس پر دلیل پہلے گذر چکی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اولاد فاطمہ کا میں ولی اور عصبہ ہوں یہ تخصیص حضور پاک نے صرف اولاد فاطمہ کے لیے فرمائی ہے حضور پاک نے اپنی دوسری بیٹیوں کی اولاد کے لیے نہیں فرمائی جس کی وجہ یہ ہے کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء حضور پاک کی تمام بیٹیوں سے افضل ہیں بلکہ تمام عورتوں سے افضل ہیں

چنانچہ علامہ یوسف نبہانی المتوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراء دنیا کی تمام عورتوں بلکہ تمام ازواج مطہرات سے بھی افضل ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمۃ بضعۃ منی کہ فاطمہ میرے جسم کا حصہ اور جزء ہے۔ رسول پاک کے جسم اطہر کے حصہ اور جزء کے برابر کوئی نہیں ہے لہٰذا فاطمۃ الزہراء کے برابر کوئی عورت نہیں ہے۔

امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں۔

لا افضل علی بضعۃ من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احداً

کہ میں کسی کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بضعہ (جزء اور حصہ) پر فضیلت نہیں دیتا یعنی سیّدہ فاطمۃ الزہراء رسول پاک کی بیٹی اور آپ کے جسم مبارک کے جزء اور حصہ ہیں تو رسول پاک کے جسم اطہر کے حصہ اور جز کے برابر کوئی نہیں ہے لہٰذا فاطمۃ الزہراء کے برابر کوئی عورت نہیں ہے آپ تمام عورتوں سے افضل ہیں۔

علامہ یوسف نبہانی لکھتے ہیں۔

وقد سئل السبکی عن ذالک فقال الذی نختارہ وندین اللہ بہ ان فاطمۃ افضل ثم امہا خدیجہ ثم عائشۃ۔

تاج الدین سبکی المتوفی ۷۷۱ھ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا مختار مذہب جس کے ساتھ ہم اللہ کی اطاعت کرتے ہیں یہ ہے فاطمۃ الزہراء افضل ہیں پھر آپ کی والدہ حضرت خدیجہ پھر حضرت عائشہ (صدیقہ)

(جواہر البحار صہ ۲۷۲)

ثابت ہوا کہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی افضلیت کے سلسلہ میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آگیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ آپ کی بڑی فضیلت اور بڑی شان ہے ہم نے اپنی ایک کتاب "تذکرہ امام حسین" میں لکھا تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں سے ہیں اور قرآن پاک میں ہے وازواجہ امہتھم

اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں اور ان کا حق ماؤں کی طرح بڑا ہے۔ نیز یہ لکھا کہ عطایا احمدیہ کے مؤلف مفتی اقتدار احمد خان نے عطایا احمدیہ صہ ۱۲۳ پر سنن ابن ماجہ کی ایک روایت کا ترجمہ کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نام پاک کے ساتھ ام المؤمنین والمؤمنات لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ مومن مردوں کی ماں اور مومنہ عورتوں کی ماں ہیں اور ہم نے یہ بھی لکھا کہ مؤلف عطایا احمدیہ کی یہ غلطی ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مومن مردوں کی ماں تو ہیں عورتوں کی ماں نہیں ہیں۔

چنانچہ ام المومنین عائشہ صدیقہ خود فرماتی ہیں کہ میں مومن مردوں کی ماں ہوں عورتوں کی ماں نہیں ہوں اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

انا ام رجالکم لا ام نسائکم

کہ میں تم مردوں کی ماں ہوں تمہاری عورتوں کی ماں نہیں ہوں۔

(فتاویٰ رضویہ صہ ۳۳۶)

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسلمان مردوں کی ماں ہیں اور مسلمان عورتوں کی ماں نہیں ہیں۔

"تذکرہ امام حسین" میں اس مسئلہ کے متعلق چونکہ صرف فتاویٰ رضویہ کا حوالہ ذکر کیا گیا تھا لہٰذا بعض حضرات نے کہا کہ اس مسئلہ کے بارے میں فتاویٰ رضویہ کے حوالہ کے علاوہ دیگر کتب معتبرہ کے حوالہ جات بھی ذکر ہونے چاہئیں۔

چنانچہ ہم نے اپنی زیر نظر کتاب "امام حسن اور خلافت راشدہ" میں

اس مسئلہ کا ضمنی طور پر اعادہ کیا اور فتاویٰ رضویہ کے حوالہ کے علاوہ چند اور حوالے ذکر کیے ہیں۔

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں یعنی ان کا حق ماؤں کی طرح بڑا ہے ان سے ہمیشہ کے لیے ہر مومن کا نکاح حرام ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے جس طرح ماؤں کا دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے اسی طرح پیغمبر کی بیویوں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے۔ امہات المومنین کو دیکھنا اور خلوت میں ان کے ساتھ بیٹھنا تو ایسا ہی ناجائز ہے جیسے اجنبی عورتوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

واذا سئالتموھن متاعًا فاسئلوھن بہٖ من وراء حجاب

اگر اُمہات المومنین میں سے تم کوئی سامان مانگنا ہو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو، اُمہات المومنین کی بیٹیوں کو اُمت کی بہنیں نہیں کہا جاتا نہ ان کے بہن بھائی اُمت کی خالائیں اور ماموں ہیں (نسبی رشتہ نہیں ہے)۔

امام شافعی نے فرمایا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسماء سے نکاح کیا اور حضرت اسماء حضرت عائشہ کی بہن تھیں لیکن کسی نے نہیں کہا کہ حضرت اسماء مومنوں کی خالہ تھیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی لڑکیوں کا نکاح حضرت عثمان اور حضرت علی سے کیا تھا اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاحبزادیاں اُمت کی بہنیں تھیں تو ان سے کسی کا نکاح نہیں ہوتا۔

حضرت شعبی نے مسروق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ کو ماں کہا آپ نے فرمایا میں تمہاری ماں

نہیں ہوں تمہارے مردوں کی ماں ہوں۔
بیہقی نے سنن میں بھی یہ روایت نقل کی ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں فرمایا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ماؤں کی طرح ازواج مطہرات سے نکاح حرام ہے اور امہات المؤمنین کے ساتھ نکاح حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اس لیے آپ کے مال کا کوئی وارث قرار نہیں پایا اور نہ آپ کی بیویاں بیوہ ہوئیں۔
(تفسیر مظہری صہ ۴۱۶ جلد ۹ پ ۲۲، (احزاب)
اور تفہیم القرآن میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں اسی طرح مسلمانوں کے لیے حرام ہیں جس طرح ان کی حقیقی مائیں حرام ہیں۔ یہ مخصوص معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا دنیا میں اور کسی انسان کے ساتھ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس معنے میں امہات مؤمنین ہیں کہ ان کی تعظیم و تکریم مسلمانوں پر واجب ہے اور ان کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا تھا باقی دوسرے احکام میں وہ ماں کی طرح نہیں ہیں مثلاً ان کے حقیقی رشتہ داروں کے سوا باقی سب مسلمان ان کے لیے غیر محرم تھے جن سے پردہ واجب تھا ان کی صاحبزادیاں مسلمانوں کے لیے ماں جائی بہنیں نہ تھیں کہ ان سے بھی مسلمانوں کا نکاح ممنوع ہوتا ان کے بھائی بہن مسلمانوں کے لیے خالہ اور ماموں کے حکم میں نہ تھے ان سے کسی غیر رشتہ دار مسلمانوں کو وہ میراث نہیں پہنچتی تھی جو ایک شخص کو اپنی ماں سے پہنچتی ہے۔ (تفہیم القرآن صہ ۷۲، الاحزاب ۳۳)

اور فیوض الرحمان ترجمہ روح البیان میں ہے کہ اس سے ظاہر ہوا کہ یہ تحریم صرف نکاح تک محدود ہے اسی لیے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم مردوں کی ماں ہیں نہ عورتوں کی۔

(فیوض الرحمٰن ترجمہ روح البیان صہ۴۳۹ پ۲۱، احزاب)

نیز فیوض الرحمٰن میں ہے اس معنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المؤمنین (مومن مردوں کے ماموں کہنا صحیح نہ ہوا جیسا کہ دیو بندیوں نے خصوصاً یہ اصطلاح گھڑ لی ہے یہ بدعت بھی ہے کہ پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ (فیوض الرحمٰن صہ۴۳۹ حاشیہ)

جب ازواج مطہرات کے بہن بھائی مسلمانوں کی خالائیں اور ماموں نہ ہوئے تو حضرت امیر معاویہ کو مسلمانوں کا ماموں کہنا صحیح نہ ہوا بلکہ ان کو ماموں کہنا بدعت ہے اور اس بدعت کا اختراع وارتکاب دیوبندیوں نے کیا ہے جن کے نزدیک بدعت امور عامہ سے ہے۔ دیو بندی حضرات ایک طرف تو بدعت کو امور عامہ سے سمجھتے ہیں اور عوام کو کہتے ہیں کہ بدعتوں سے بچو۔ اور دوسری طرف خود متعدد بدعتوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔

حضرت امیر معاویہ کو مسلمان مردوں کا ماموں کہنا بھی بدعت ہے غرضیکہ ازواج مطہرات کے بہن، بھائی مسلمانوں کے خالائیں اور ماموں نہیں ہیں۔

صدر الافاضل سید نعیم الدین مرآد آبادی لکھتے ہیں۔

(وازواجه امهتهم۔

اور اس کی ازواج ان کی مائیں ہیں۔ تعظیم حرمت میں اور نکاح کے

ہمیشہ کے لیے حرام ہونے میں اور اس کے علاوہ دوسرے احکام میں مثلاً وراثت اور پردہ وغیرہ کا وہی حکم ہے جو اجنبی عورتوں کا اوران کی بیٹیوں کو مؤمنین کی بہنیں اوران کے بھائیوں اور بہنوں کو مومنین کے ماموں، خالہ نہ کہا جائے گا۔

(تفسیر خزائن العرفان صد ٦٦٨، پ ۲۱)

حضرت صدرالافاضل کی کلام وتفسیر سے ثابت ہوا کہ ازواج مطہرات کے بھائیوں کو مسلمانوں کا ماموں نہ کہا جائے گا تو ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ کو بھی مسلمانوں کا ماموں نہ کہا جائے گا۔

علامہ ابوالقاسم جاراللہ زمخشری المتوفی ۵۳۸ھ آیت وازواجه امهاتهم کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ازواج مطہرات کو حقیقی ماؤں کے ساتھ بعض احکام میں تشبیہ دی گئی ہے وہ یہ کہ ان کی تعظیم اوراحترام واجب ہے اوران کے ساتھ مؤمن مردوں کا نکاح ہمیشہ حرام ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔

وَلَا اَنْ تنكحوا ازواجه من بعده ابداً۔

اور ازواج مطہرات اس کے سوا دوسرے احکام میں اجنبی عورتوں کی طرح ہیں اوراسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔

لسنا امهات النساء تعنى انهن انما كن امهات الرجال لكونهن محرمات عليهم كتحريم امهاتهم

کہ ہم ازواج النبی مومنہ عورتوں کی ماں نہیں ہیں کیونکہ ازواج النبی مومن مردوں پر اسی طرح حرام ہیں جیسے کہ ان کی حقیقی مائیں حرام ہیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ حرمت ان کی بیٹیوں کی طرف متعدی نہیں

(یعنی ان کی بیٹیاں مومن مردوں پر حرام نہیں ہیں) اور اسی طرح ازواج مطہرات کے لیے حقیقی ماؤں کے تمام احکام ثابت نہیں ہوں گے۔

(تفسیر کشاف صہ ۲۵۱ ج ۳)

جب ازواج مطہرات کے لیے حقیقی ماؤں کے تمام احکام ثابت نہ ہوئے تو ازواج مطہرات کے بھائی مومن مردوں کے ماموں نہ ہوئے تو حضرت معاویہ بھی مومن مردوں کے ماموں نہ ہوئے۔

علاوہ ازیں آیت وازواجہ امھاتھم میں تشبیہ بلیغ ہے۔ استعارہ اور تشبیہ میں فرق ہوتا ہے استعارہ میں ضروری ہے کہ مستعار جس کو مشبہ کہتے ہیں اس درجہ متروک ہو کہ صرف قرائن سے اس کا سراغ لگ سکے۔ اگر قرینہ نہ ہو تو کلام کو اپنے حقیقی معنے پر محمول کیا جا سکے۔ آیت میں مشبہ متروک نہیں ہے بلکہ مذکور ہے تو استعارہ نہ ہوا بلکہ تشبیہ ہے کہ ازواج مشبہ ہے اور امھات مشبہ بہ ہے وجہ تشبیہ عزت اور حرمت نکاح ہے اور حرف تشبیہ محذوف ہے۔

چنانچہ تشبیہ کے چار ارکان ہیں

۱۔ مشبہ

۲۔ مشبہ بہ

۳۔ وجہ تشبیہ

۴۔ حرف تشبیہ

ارکان تشبیہ اور اقسام تشبیہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور آیت وازواجہ امھاتھم میں تشبیہ بلیغ ہے اس کے بارے میں صاحب کشاف اور صاحب روح المعانی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔

غرضیکہ ازواج مطہرات بعض احکام میں مومن مردوں کی ماؤں کی طرح ہیں جیسے ماں کی عزت فرض ہے اسی طرح ازواج مطہرات کی عزت فرض ہے جیسے ماؤں کے ساتھ نکاح حرام ہے اسی طرح مومن مردوں کے لیے ازواج مطہرات کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے ازواج مطہرات کی بڑی عزت وعظمت اور فضیلت ہے البتہ دنیا کی تمام عورتوں سے افضل سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراء علیہا السلام ہیں اور اس افضلیت کی وجہ سے آپ کی یہ تخصیص ہوئی کہ آپ کی اولاد رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہے۔ رسول پاک کے بیٹے حسن اور حسین اور آگے ان کی اولاد قیامت تک حضور پاک کے بیٹے اور حضور کی اولاد ہیں۔ دوسرے لوگوں کا نسب باپ کی طرف سے چلتا ہے مگر سادات اور بنو فاطمہ کا نسب حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء سے چلتا ہے۔

چنانچہ امام حسن اور امام حسین کی جو اولاد ہے وہ نسب کے اعتبار سے امام حسن اور امام حسین کی اولاد ہے اور ساتھ ہی رسول پاک کی اولاد بھی ہے۔ یہ تخصیص صرف اور صرف امام حسن اور امام حسین کی اولاد کی ہے۔

حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی بیٹی سیّدہ زینب سلام اللہ علیہا جو امام حسن اور امام حسین کی حقیقی بہن اور ہمشیرہ ہیں ان کی اولاد عبداللہ بن جعفر کی اولاد ہے۔ مگر یہ رسول پاک کے بیٹے بیٹیاں نہیں ہیں۔ سیّدہ فاطمۃ الزہراء کے بیٹے امام حسن اور امام حسین اور آگے ان کی اولاد قیامت تک نسب کے اعتبار سے سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی وجہ سے حضور پاک کے بیٹے ہیں اور حضور پاک ان کے باپ ہیں اور سیّدہ زینب

کے بیٹے حضور پاک کے بیٹے نہیں ہیں اور نہ ہی حضور پاک ان کے باپ ہیں۔

حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء کے بیٹے اور آگے ان کی اولاد قیامت تک جو ہے وہ رسول پاک کی طرف نسبت صحیحہ (حقیقیہ) کے ساتھ منسوب ہے اس سے ظاہر ہے کہ بنو فاطمہ رسول پاک کی حقیقی اولاد ہے۔ مجازی نہیں ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ بنو فاطمہ حضور پاک کی مجازی اولاد ہے وہ غلط کہتا ہے کیونکہ بنو فاطمہ کا قیامت تک رسول پاک کی اولاد ہونا یہ بنو فاطمہ کے ساتھ خاص ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

لکل بنی ام عصبۃ الا ابنی فاطمۃ انا ولیهما وعصبتهما وانما خص رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم اولاد فاطمۃ دون غیرها من بقیۃ بناتہ لافضیلها۔

(اسعاف الراغبین صہ۴۷)

کہ حضرت فاطمہ کے بیٹوں کا میں ولی اور عصبہ ہوں یہ رسول پاک نے خصوصیت صرف اولاد فاطمہ کے لیے فرمائی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولاد فاطمہ کے لیے باپ ہیں اور اولاد فاطمہ ان کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اور یہ خصوصیت حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء کی افضیلت کی وجہ سے ہے اور اولاد فاطمہ رسول پاک کی اولاد حقیقتہً ہے مجازاً نہیں ہے۔

کیونکہ مجاز کے لیے دو جہتیں ہوتی ہیں۔
ایک جہت اثبات کی اور دوسری جہت نفی کی۔

چنانچہ علماء اصول لکھتے ہیں۔

بخلاف المعنے المجازی فانہ یصح ان یصدق علیہ ویصح ان ینفی عنہ یقال للا ب اب ولا یصح ان یقال انہ لیس باب بخلاف الجد فانہ یصح ان یقال انہ اب ویصح ان یقال انہ لیس باب۔

(نور الانوار صہ ۱۲۸)

یعنی بخلاف معنے مجازی کے وہ ساقط ہو جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کا مصداق پر صادق آنا بھی درست ہے اور مصداق سے ہٹنا بھی درست ہے۔

چنانچہ باپ کو باپ کہا جاتا ہے اور باپ کو یہ کہنا درست نہیں ہے کہ وہ باپ نہیں ہے یہ معنے حقیقی کی مثال ہے بخلاف دادا کے کہ دادا کو یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ باپ ہے اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ باپ نہیں ہے۔ یہ معنے مجازی کی مثال ہے۔

اب ظاہر ہے کہ معنے مجازی ہیں دو جہتیں ہیں ایک جہت مثبت اور دوسری جہت منفی جیسے کہ جد (دادا) کو باپ کہنا بھی صحیح ہے جو کہ جہت مثبت ہے اور اس کو باپ نہ کہنا بھی صحیح ہے جو کہ جہت منفی ہے گویا کہ اس معنے مجازی میں دو جہتیں ہیں اور حقیقی معنے میں صرف ایک جہت مثبت متعین ہے۔ جیسے کہ باپ کو باپ ہی کہا جاتا ہے یہاں جہت منفی نہیں ہے۔

غرضیکہ مجاز میں دو جہتیں ہوتی ہیں اور مسئلہ زیر بحث یعنی بنو فاطمہ اور سادات میں صرف ایک جہت مثبت متعین ہے کہ یہ حسنین کریمین کی

اولاد بھی ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اولاد ہے اور یہ تخصیص اولاد فاطمہ کے یہے نص سے ثابت ہے یہاں نفی کی جہت نہیں ہے جب صرف اور صرف مثبت والی جہت متعین ہے تو تحقیق معنے متعین ہوا مجازی نہ ہوا تو اب نص اور اصول سے ثابت ہوا کہ بنو فاطمہ اور سادات کرام رسول پاک کی حقیقتہً اولاد ہیں۔

سوال :۔

آپ نے کہا ہے کہ اولاد فاطمہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں اور حضور پاک ان کے باپ ہیں اور اولاد فاطمہ کے یہے یہ خصوصیت ہے یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ قرآن پاک پ ۲۲ میں ہے۔

ما کان محمد ابا احد من رجالکم۔

کہ تم مردوں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کے باپ نہیں ہیں جب حضور پاک کسی کے باپ نہ ہوئے تو اولاد فاطمہ کے کیسے باپ ہوئے تو یہ خصوصیت والی صورت درست نہ ہوئی۔

جواب :۔

حدیث پاک اور آیت کریمہ میں جو نفی ہے وہ متبنی مردوں کے یہے باپ ہونے کی نفی ہے اور حدیث پاک میں جو ہے کہ حضور پاک اولاد فاطمہ کے یہے باپ ہیں یہ اثبات نسب کے اعتبار سے ہے جب نفی متبنی مردوں کے اعتبار سے ہے اور اثبات نسب کے اعتبار سے ہے تو تعارض نہ ہوا اور یہ قرآنی آیات کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔ غرضیکہ فاطمۃ الزہراء تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ اس افضلیت کی وجہ سے آپ کی یہ تخصیص ہے کہ آپ کی اولاد رسول پاک کی اولاد ہے۔ امام حسن مجتبیٰ

کے دیگر فضائل و کمالات کے علاوہ یہ خصوصی فضیلت ہے کہ آپ کی خلافت پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نص فرمائی ہے۔ مروان بن حکم نے اگرچہ اپنی فطرتی خباثت کو ظاہر کرتے ہوئے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو روضہ رسول میں دفن ہونے نہیں دیا اس سے امام حسن مجتبیٰ کی شان اور عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ آپ کے بقیع میں دفن ہونے کی وجہ سے بقیع کی شان کو اللہ تعالےٰ نے ارفع اور بلند فرما دیا وہ بقیع غرقد سے جنت البقیع ہوا۔

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کتاب "امام حسن اور خلافت راشدہ" کو تا قیامت باقی رکھے اور اہلِ بیت اطہار کے صدقے اللہ تعالےٰ مجھے دونوں جہانوں میں عزت سے نوازے اور میرے لیے سعادتوں اور برکتوں کو مقدر کر دے اور میری تمام امیدوں کو پورا کر دے اور جن لوگوں نے اس کتاب "امام حسن اور خلافت راشدہ" کی اشاعت میں حصہ لیا ہے یا مالی تعاون کیا ہے۔ ان کو اہل بیت اطہار کی شفاعت سے مالا مال کر دے آمین۔

وانی اسئال من اللہ تعالیٰ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یعصمنی من سہام الطعن ویحفظنی من آفات الزمن والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ نبی الرحمۃ محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ وعترتہ الیٰ یوم الدین۔

مفتی غلام رسول

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ (لندن)

۱۱ مئی ۲۰۰۶ء۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ بروز جمعرات

مصنّف کی دیگر تصانیف

① فتاوی جماعتیہ (حصّہ اوّل و دوم)
② نور الفرقدین علی رفع الیدین
③ سنت سید الانعام علی قرأۃ خلف الامام
④ انوار الشریعت
⑤ السلطان القوی
⑥ القول المسعود
⑦ القول التنقیح
⑧ التعاقب علی التعاقب
⑨ القول علی المقالہ
⑩ مجدد دین و ملت حضرت امیر ملت
⑪ سیرتِ انور
⑫ السہم الحق فی کبد مختار الحق
⑬ الصاعقۃ الوہاب
⑭ الصدقات حرام علی السادات
⑮ خلل اندازی نماز کے متعلق فتویٰ
⑯ حسب و نسب (حصہ اوّل)

(۱۷) حسب ونسب (حصّہ دوم)
(۱۸) 〃 〃 (حصّہ سوم)
(۱۹) 〃 〃 (حصّہ چہارم)
(۲۰) 〃 〃 (حصّہ پنجم)
(۲۱) 〃 〃 (حصّہ ششم)
(۲۲) فتاوی برطانیہ
(۲۳) امام زین العابدین
(۲۴) التعاقب علی النواصب
(۲۵) نکاح اور شادی کے مسائل
(۲۶) اسماء اہلِ بیت نبوی پر علیہ السلام کہنے کا جواز
(۲۷) رفع الحجاب
(۲۸) درود شریف۔
(۲۹) تذکرہ امام حسین۔
(۳۰) الصبح الصادق

مفتی غلام رسول
(لندن)

تذکرہ امامِ حسین علیہ السّلام

تالیف

مفتی غلام رسول

دار العلوم قادریہ جیلانیہ (لنڈن)

حسبِ ارشاد

نابغۂ روزگار مفکّرِ اسلام علّامہ پیر سیّد

عبد القادر شاہ صاحب جیلانی

بحسنِ اہتمام

انجمن فاطمیہ (یوکے)

ناشر

دار العلوم قادریہ جیلانیہ

انٹرنیشنل مسلم موومنٹ والتھم سٹو لنڈن (برطانیہ)